مندرجہ ذیل کتابیں دفتر مقبرہ بہشتی قادیان ضلع گورداسپور سے بذریعہ قیمت طلب پیکٹ مل سکتی ہیں انکا مطالعہ مذہبی تحقیقات اور تاریخی معلومات اور مخالفین کے اعتراضات کی تردید کے لیے نہایت ضروری ہے۔ مشرح فہرست ۔/ کا ٹکٹ بھیجنے پر ارسال خدمت ہوگی۔

انوار اللہ اردو	۸؍	قاعدہ عربی اردو	ا؍	تذکرۃ الشہادتین اردو	۵؍	شہادۃ القرآن اردو	۴؍
اجرومیہ عربی	۰؍	قرآن شریف مترجم مع تفسیر حسینی	عہ	″ فارسی	۳؍	صیان القرآن ″	۳؍
الذکر یعنی ترجمہ نماز و اسمائے الٰہیہ	۲؍	مسک العارف اردو	۱۰؍	تحفہ قیصرہ اردو	۲؍	کشف الغطا ″	۲
پارہ الٓمٓ عربی	۲؍	نشان آسمانی ″	۲؍	تحفۃ الندوہ ″	۰؍	لغات القرآن حصہ اول	عہ؍
پنج ارکان اسلام۔ اردو	ا؍	واقعات صحیحہ ″	۲؍	تقریریں ″	۲؍	″ حصہ دوم	عہ ۸؍
تفسیر جلالین عربی	عہ ۸؍	یسرنا القرآن حصہ اول	ا؍	تقریروں کا مجموعہ ″	۳؍	لیکچر سیالکوٹ اردو	۱۰؍
تفسیر فوز الکبیر عربی فارسی	۲؍	″ دوم	ا؍	سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب ″	۲؍	″ لاہور مہوتسو ″	۴؍
تقریر جلسہ مذاہب جہلم تقطیع اردو	۲؍	″ سوم	ا؍	جنگ مقدس عیسائیوں سے مباحثہ ″	۶؍	مشکوۃ الانوار عربی	۴؍
جام شہادت۔ اردو	۰؍	ہدیہ ثاقب اردو	۲؍	حمامۃ البشریٰ عربی	۸؍	مواہب الرحمٰن ″	۴؍
حمائل مترجم۔ فارسی	عہ	الہدیٰ عربی	۶؍	حجۃ الاسلام اردو	ا؍	مبادی الصرف	ا؍
رپورٹ جلسہ اعظم مذاہب اردو	۸؍	الحق لودیانہ۔ اردو	۶؍	خطوط شیعہ کا جواب ″	۲؍	نسیم دعوت۔ اردو	۳؍
سلسلہ دینیہ۔ اردو	۰؍	″ دہلی۔ ″	[illegible]	[illegible]یہ عربی ترجمہ فارسی اردو	عہ	نور الدین حصہ اول اردو	۲؍
سلاسل القرآن۔ عربی نمبر ۱	۴؍	اعجاز احمدی۔ عربی	[illegible]	[illegible] حصہ اول اردو	۸؍	″ ″ دوم ″	۴؍
″ نمبر ۲	۸؍	احسن الکلام اردو	۔؍	″ ″ دوم ″	۴؍	ہدیہ سعدیہ عربی	۲؍
″ نمبر ۳	۱۳؍	ابطال الوہیت مسیح ″	ا؍	خزینۃ المعارف حصہ اول و دوم	۴؍	فضل حق۔ اردو	ا؍
″ نمبر ۴	۱۴؍	آیات الرحمٰن ″	۸؍	″ ″ ″ سوم و چہارم	۸؍	سیرۃ المسیح۔ ″	۸؍
آریہ دھرم۔ اردو	۴؍	دعوت الحق۔ ″	۵؍	اعلام الناس حصہ دوم	۴؍	آسمانی فیصلہ ″	[illegible]
دینیات کا پہلا رسالہ ″	ا؍	شرح ترمذی۔ نمبر ۱ شرح ترمذی نمبر ۲	عہ ۸؍ عہ ۸؍	دعوت دہلی	[illegible]	دافع البلاء ″	ا؍
طریق النجات نمبر ۱	۸؍	احمدی کا من نظم پنجابی	ا؍	دعوت الندوہ	[illegible]	غنیۃ الطالب۔ عربی	عہ
″ ″ نمبر ۲	۷؍	براہین احمدیہ حصہ اول	۵؍	راز حقیقت۔	[illegible]	شفاء السقام ″	عہ
″ ″ نمبر ۳	۸؍	″ دوم	۴؍	سرمہ چشم آریہ۔ ″	۱۲؍	نوٹ۔ ان قیمتوں میں	
″ ″ نمبر ۴	۱۵؍	″ سوم	۱۰؍			محصول ڈاک شامل نہیں۔	
		″ چہارم ۴	۳؍				
غسل مصفّے۔ اردو	عہ ۸؍	مکمل براہین	۳؍	ست بچن ″	۱۰؍		

براہین احمدیہ کا حصہ چہارم اصل نسخہ ہے جو حضرت اقدس نے ۱۸۸۴ء میں چھپوایا تھا۔ باقی تین حصے بڑے اہتمام سے دوبارہ چھپوائے گئے ہیں

نوٹ۔ تمام خط و کتابت متعلق کتب کے مینیجر دفتر ناظم مقبرہ بہشتی قادیان سے ہونی چاہیئے۔

[illegible]

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ❁ لو تمھیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

Digitized by Khilafat Library

جلد ۶ | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۰۷ء | نمبر ۷

فہرست مضامین

قرآن کریم کی حفاظت ۔ ۲۴۱ - ۲۵۹
(۵ - معہ غلطی)

عیسائی دین میں سلب امراض کے معجزات ۲۶۰ - ۲۶۸

شاندار مستقبل کی پیشگوئی ۔ ۲۶۸ - ۲۷۴

عصر جدید، جہاد اور صاحب العصر ۔ ۲۷۴ - ۲۷۷

تجلی انوار اور القائے شیطانی ۔ ۲۷۷ - ۲۸۲

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۔ ۲۸۳

ریویو ۔ ۲۸۳ - ۲۸۴

قادیان ضلع گورداسپور سے ۔ ۲۰ جولائی ۱۹۰۷ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شائع ہوا ۔ چندہ سالانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قرآن کریم کی حفاظت

(۵)۔ جمع قرآن

گذشتہ رسالے میں ہم نے قرآن کریم کی حفاظت کے سوال کو اس مرحلہ پر چھوڑا تھا کہ قرآن کریم تحریرا اور حافظہ میں دونوں طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عین حیات محفوظ ہو چکا تھا۔ اور آیتوں اور سورتوں کی ترتیب بھی ہو چکی تھی جو آجتک محفوظ چلی آتی ہے۔ اس مرحلہ پر یہ سوال پیدا ہوا تھا جس کا جواب ہمنے آیندہ دینے کا وعدہ کیا تھا کہ اگر کُل قرآن کریم ضبط تحریر و حافظہ میں مع ترتیب سور و آیات کے آچکا تھا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں جیساکہ صحیح حدیث سے معلوم ہوتا ہی قرآن کریم کو جمع کرنیکی ضرورت کیوں پیش آئی اور اس کا کیا مطلب تھا۔ جاننا چاہیئے کہ اصل بات جیساکہ معتبر روایات اور صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے یہی ہے کہ جمع قرآن کریم کا اصل کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے تحت پورا کیا۔ خود قرآن کریم اس بات پر شاہد ہے جیساکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے جو پہلے بھی نقل کیجا چکی ہے۔ ان علینا جمعہ وقرانہ فاذا قرأناہ فاتبع قرانہ۔ یہ سورہ قیامت کی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کھُلے طور پر یہ وعدہ موجود ہے کہ جیسا قرآن کریم کا پڑھنا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھانا ہمارا یعنی وحی الٰہی کا کام ہے اسی طرح قرآن کریم کی جمع بھی ہمارا یعنی وحی الٰہی کا کام ہے۔ پھر ایک دوسرے موقعہ پر جب کفار نے یہ اعتراض کیا کہ قرآن شریف ٹکڑے ٹکڑے کر کے کیوں نازل کیا گیا اور سارا اکٹھا نازل کیوں نہیں ہوا اعتراض کو نقل کر کے اس کا جواب یوں فرمایا۔ وقال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذٰلک لنثبت بہ فؤادک ورتلنٰہ ترتیلا۔ یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کرنےمیں ایک حکمت تو یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً وحی الٰہی کے نزول سے مورد وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسکین ملتی رہے۔ (اگر کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ان ٹکڑوں میں جوڑ کیونکر ہوگا اور ان کی ترتیب کیا ہوگی کیونکہ) انکو ترتیب اور ستارتیج سے پڑھنا یہ بھی ہمارا ہی کام ہے غرضیکہ ایسی ایسی آیات اور ان واقعات سے جو ہم تفصیل کے ساتھ پہلے بیان کر چکے ہیں نہایت صفائی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جمع قرآن کا اصل کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

اپنی حیات میں خود ہی کیا تھا۔ لیکن ہم یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ سوائے ان صحابہ کرامؓ کے جو کل قرآن شریف کو حفظ رکھتے تھے دوسروں کو جمع کی ترتیب کے ساتھ قرآن کریم کے حفظ رکھنے کی ضرورت پیش نہ آسکتی تھی۔ پس قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں پوری ترتیب کے ساتھ جمع تو تھا لیکن یہ جمع شدہ قرآن کریم صرف حافظوں میں ہی محفوظ تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتاب یا ایک جلد کی صورت میں قرآن شریف کو جمع نہ کیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ ہر ایک آیت اور ہر ایک سورۃ نزول کے وقت تحریر میں بھی فی الفور محفوظ کر لی جاتی تھی مگر جب تک مہبط وحی علیہ الف الف صلوٰۃ وسلام موجود تھے اور وحی کا نزول جاری تھا۔ یہ سب تحریریں ایک جلد کی صورت میں جمع نہ ہو سکتی تھیں۔ وجہ اسکی یہ تھی کہ بعض سورتیں جو ابتدائے مدنی زندگی میں نازل ہوئیں انکی بعض آیات اخیر زمانہ نبوی تک نازل ہوتی رہیں۔ پس اگر سورتوں اور آیات کو ترتیب دیکر ایک مجلد میں جمع کر دیا جاتا تو یہ مشکل پیش آتی کہ ایک سورۃ جو ساری لکھی جا چکی تھی اس کی کوئی آیت جب بعد میں نازل ہو اور بلحاظ ترتیب کے اس کا کسی سورۃ کے درمیان میں آنا ضروری ہو تو اسے کیا کیا جاوے۔ حافظہ میں تو ایسی ترتیب کا دینا ہر وقت ایک آسان امر تھا مگر تحریر میں جب درمیان میں کوئی جگہ نہ چھوڑی گئی ہو جو قبل از وقت چھوڑی نہ جا سکتی تھی تو یہ دقت پیدا ہوتی کہ بعد کی نازل ہوئی ہوئی آیات جو ترتیب کے لحاظ سے کسی سورۃ کے اندر آنی چاہییں اپنے موقعہ پر رکھی نہ جا سکتی تھیں۔ اسی مصلحت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو کافی سمجھا کہ جمع شدہ قران پوری ترتیب کے ساتھ حافظوں میں محفوظ رہے۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو پھر قرآن شریف کے ایک کتاب کی صورت میں جمع کرنیکی جو دقتیں تھیں وہ جاتی رہیں چنانچہ یہی ضرورت قرآن کریم کو ایک مجلد کی صورت میں جمع کرنیکی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں محسوس کی گئی۔ اور اسی کو پورا کرنے کے لیے حضرت ابو بکرؓ نے زیدؓ کو جمع قرآن پر مامور کیا۔ تا کہ وہ تحریر اور ایک مجلد کی صورت میں اسی ترتیب کے ساتھ قرآن کریم کو جمع کریں جس ترتیب کے ساتھ یہ پاک کتاب حافظوں میں جمع تھی۔

جو کچھ میں نے یہاں بیان کیا ہے اس کی تصدیق اس حدیث صحیح سے ہوتی ہے جس میں حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں جمع قرآن کے واقعہ کی تفصیل ہے۔ یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسیلمہ کذاب کے خلاف حضرت ابو بکرؓ کو ایک مہم بھیجنی پڑی اس جنگ میں کئی قرا شہید ہو گئے۔ جس پر حضرت عمرؓ کو خطرہ ہوا کہ اگر اور جنگیں ایسی ہی خطرناک پیش آجائیں تو ممکن ہے کہ سب کے سب قاری یعنی حافظ لوگ قتل ہو جائیں اور اس طرح سے قرآن شریف کا کوئی حصہ ضایع ہو جاوے۔ حدیث اس طرح پر ہے۔ حدثنا موسیٰ بن اسمعیل عن ابراھیم ابن سعد حدثنا ابن شہاب عن عبید بن السباق ان زید بن ثابت رضی اللہ عنہ قال ارسل الی ابو بکر الصدیق مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر بن الخطاب عندہ قال ابو بکر رضی اللہ عنہ ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن و انی اخشی ان استحر القتل بالقراء بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن وانی اری ان تامر بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

قال عمر ھذا و اللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری لذلک و رأیت فی ذلک الذی رأی عمر قال زید قال ابو بکر انک رجل شاب عاقل لا نتھمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ فو اللہ لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی بہ من جمع القرآن قلت کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھو و اللہ خیر فلم یزل ابو بکر یراجعنی حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدر ابی بکر و عمر رضی اللہ عنھما فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت اخر سورۃ التوبۃ مع ابی خزیمۃ الانصاری لم اجدھا مع احد غیرہ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حتی خاتمۃ براءۃ فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر رضی اللہ عنہ - ترجمہ اس حدیث کا یہ ہے کہ زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ اہل یمامہ کے قتل کے بعد یعنی ان صحابہؓ کے جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے حضرت ابو بکر صدیق نے مجھے بلا بھیجا جب میں آپکے پاس پہنچا تو دیکھا کہ حضرت عمر بن خطاب بھی آپکے پاس موجود ہیں - حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھکر فرمایا کہ ابھی حضرت عمر میرے پاس آئے اور مجھے کہا کہ یمامہ کے جنگ میں قرآن کریم کے قاریوں میں بہت قتل واقعہ ہوا ہے - اور میں ڈرتا ہوں کہ اگر اور میدانوں میں بھی اسی طرح قاری لوگ (یعنی حافظان قرآن کریم) قتل ہوتے رہے تو بہت سا حصہ قرآن شریف کا گم ہو جائیگا - اور میری یہ رائے ہے کہ آپ جمع قرآن کا حکم دیدیں - میںنے عمر کو کہا کہ تم کیونکر اس کام کو کرتے ہو جسے انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا - عمر نے جوابدیا کہ خدا کی قسم اس میں بہتری ہے - پس عمر میرے ساتھ مباحثہ کرتے رہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کو اس کے لیے کھولدیا - اور میری بھی اس میں وہی رائے ہوگئی جو حضرت عمر کی رائے تھی - زید کہتے ہیں کہ پھر ابو بکر نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا کہ تم عقلمند اور جوان آدمی ہو اور ہم تمپر کسی طرح کی تہمت نہیں لگا سکتے - اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھا کرتے تھے - پس قرآن کو تلاش کرکے اسکو ایک جگہ جمع کرو - خدا کی قسم ہے اگر مجھے اس بات پر مجبور کرتے کہ تم ایک پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کردو تو یہ بات مجھے زیادہ دشوار معلوم نہ ہوتی بہ نسبت اس کے کہ مجھے جمع قرآن کا حکم دیا - میںنے کہا تم کسطرح وہ کام کہتے ہو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا - حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا واللہ یہی بہتر ہے - پس حضرت ابو بکر مجھے جواب دیتے رہے یہانتک کہ خدا نے میرا سینہ اس بات کے لیے کھولدیا جس کے لیے اس نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے سینے کھولے تھے - پس میںنے قرآن کو تلاش کرنا شروع کیا اور میں اسے جمع کرتا تھا کھجور کی ٹہنیوں اور پتھر کی تختیوں سے اور آدمیوں کے سینوں یعنی حافظوں سے یہانتک کہ اخیر سورۃ توبہ مجھے ابی خزیمہ انصاری کے پاس سے ملا اور اور کسی کے پاس وہ مجھے نہیں ملا یعنی لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم سے برارت کے خاتمہ تک پس یہ صحیفے حضرت

ابوبکرؓ کے پاس تھے یہانتک کہ خدائے تعالیٰ نے انکو وفات دی پھر حضرت عمرؓ کی زندگی میں انکے پاس رہے اور اس کے بعد ام المومنین حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس۔

اس حدیث شریف سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ سب سے اول اس سے یہ امر نہایت صفائی سے ثابت ہوتا ہے کہ کُل کا کُل قرآن شریف قرا یعنی ان لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات اور آپکے سامنے اسے حفظ کر چکے تھے۔ حضرت عمرؓ نے جو اندیشہ ظاہر کیا وہ یہ تھا کہ اگر قرا سب کے سب مارے جائیں تو قرآن کریم کے بہت سے حصہ کے ضایع ہو جانیکا اندیشہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوب جانتے تھے کہ اگر حافظان قرآن کریم کی زندگیاں خطرے میں نہ ہوں تو قرآن شریف کے بھی ضایع ہونیکا کوئی خطرہ نہیں۔ گویا حافظان قرآن کے سینوں میں بلاکم وکاست سارا قرآن شریف جمع تھا۔ دوسری بات جو اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے وقت میں جو جمع قرآن شریف کا کام کیا گیا اس کی غرض یہ تھی کہ حافظان قرآن کریم یعنی قرا کے قایم مقام ایک اور امر پیدا ہو جائے یعنی قرآن کریم اس صورتمیں جمع ہو جائے کہ تمام قرا کے مارے جانیکی صورتمیں بھی اس کے کسی حرف یا لفظ کے تلف ہو جانیکا خطرہ باقی نہ رہے۔ حضرت عمرؓ کس بات کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں؟ صرف یہی کہ جیسا یمامہ کے جنگ میں کئی قرا مارے گئے تھے اگر ایسے ہی خطرناک جنگ اور پیش آجائیں تو باقی حافظان قرآن کی زندگیاں بھی معرض خطر میں ہیں۔ پس آپنے اس بات پر زور دیا کہ قرآن کریم حافظوں میں ہی جمع نہ رہے بلکہ ایسی جمع قرآن شریف کی کیجاوے جس کو بعض انسانوں کے مارے جانیسے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک طرح سے یعنی حافظوں میں تو قرآن کریم سورتوں اور آیتوں کی ترتیب کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع کر دیا تھا۔ مگر حضرت عمر یہ چاہتے تھے کہ تحریر میں بھی قرآن شریف جمع ہو جائے تا قاریوں کے مارے جانیسے قرآن کریم کے کسی لفظ کے ضایع ہو جانیکا اندیشہ باقی نہ رہے۔ حدیث یہ نہیں کہتی کہ قرآن کریم اسوقت تک جمع نہ ہوا تھا۔ بلکہ برخلاف اس کے اسکی شہادت کھُلے طور پر اس بات کو تو ثابت کرتی ہے کہ سینوں میں قرآن شریف بالکل محفوظ تھا پر یہ اندیشہ ہوا کہ اگر وہ سینے جن میں یہ پاک کلام محفوظ تھا وہی نہ رہیں یعنی حافظ لوگ سب کے سب جنگوں میں شہید ہو جاویں تو پھر کیا ہوگا۔ اس خطرہ کے مقابلہ کے لیے تحریر میں اور ایک مجلد کی صورت میں قرآن کریم کا جمع کرنا ضروری سمجھا گیا۔ اس حدیث سے یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ کو قرا کے حافظوں پر اعتبار نہ تھا۔ حافظوں پر تو پورا اعتبار تھا لیکن قرا کی زندگیاں خطرناک جنگوں کے پیش آجانیکی وجہ سے معرض خطر میں پڑ گئی تھیں۔ تیسری بات جو اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اسوقت تک جب مجلد کی صورت میں جمع قرآن کا کام شروع کیا گیا قرآن شریف کا کوئی حصہ ضایع نہ ہو چکا تھا۔ حضرت عمرؓ صاف الفاظ میں یہ فرماتے ہیں کہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر باقی قرا بھی جنگوں میں شہید ہو جائیں اور دفعۃً کسی جنگ میں سب کا خاتمہ ہو جائے تو قرآن شریف کا کوئی حصہ ضایع ہو جائے۔ حضرت عمر کا اندیشہ صرف آیندہ کے متعلق تھا۔ انکے کسی لفظ سے یہ نہیں پایا جاتا کہ اسوقت بھی قرآن شریف کا کوئی حصہ یا کوئی لفظ ضایع ہو چکا تھا۔ بلکہ انکے الفاظ کا جن میں انہوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ جو قرا

یعنی حافظان قرآن کریم اس وقت موجود ہیں۔ انکے مارے جانیسے قرآن کریم کے کسی حصہ کے ضایع ہوجانیکا اندیشہ ہے یہ صاف شہادت ملتی ہے کہ اسوقت تک کچھ ضایع نہ ہوا تھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سارا قرآن شریف جمع ہوکر قراء یعنی حافظان قرآن کریم کے حافظوں میں پورے طور سے محفوظ تھا۔ اور کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمع کے علاوہ جو سینوں میں محفوظ تھی ایک جمع قرآن کریم کی ایسی چاہتے تھے جو کتاب کی صورت میں ہو اور کہ جب تحریری جمع کا کام شروع کیا گیا تو اسوقت تک حافظوں کے جمع شدہ قرآن شریف میں سے کوئی حرف یا کوئی لفظ ضایع نہ ہوا تھا۔ یہ تین نہایت ضروری باتیں ہیں جن کو یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ انسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حافظوں میں جمع کرکے محفوظ کر دیا تھا وہ بلا کسی تغیر و تبدل کے اور بغیر کسی حرف کے بڑھائے جانے یا گھٹائے جانیکے اسی ترتیب کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ حدیث جس سے یہ امور پایہ ثبوت کو پہنچتے ہیں اوّل درجہ کی معتبر اور صحیح احادیث میں سے تسلیم کی گئی ہے۔

اب ہم نے یہ دکھانا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ان الفاظ سے کیف تفعل شیئًا لم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اسکو تم کیونکر کر سکتے ہو کیا منشاء تھا۔ یہ الفاظ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عمر رضی اللہ عنہ کی کسی تجویز کے متعلق تھے پس جو تجویز پیش کی گئی تھی اسی کے متعلق یہ جواب بھی ہونا چاہیئے۔ اب یہ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز مطلق جمع قرآن کے متعلق نہ تھی بلکہ یہانتک تو وہ مطمئن تھے کہ قرآن کریم حفاظ اور قراء کے سینوں میں جمع ہے۔ فکر انکو یہ ہوا تھا کہ اگر حفاظ اور قراء ہی سب کے سب جنگوں میں شہید ہو جاویں تو ایسا نہ ہو کہ قرآن شریف کا کوئی حصہ ضایع ہو جائے اس لیے انہوں نے قرآن کریم کی ایک مجلد کی صورت میں جمع کرنیکی تجویز پیش کی تھی جو قراء کے نہ ہونیکی صورت میں بھی محفوظ کی محفوظ ہی ہو۔ دوسری طرف یہ امر بھی مسلّم ہے کہ اگرچہ مکمل اور جمع شدہ قرآن شریف سورتوں اور آیتوں کی صحیح ترتیب کے ساتھ نہایت محفوظ طور پر حافظان قرآن کریم کے حافظوں میں موجود تھا مگر جو تحریریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے روبرو لکھوائی تھیں جیسا کہ ہر ایک آیت اور ہر ایک سورۃ کا لکھا جانا ثابت ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سب کی سب ایک جگہ جمع نہ کی گئی تھیں اور نہ ہی انکو کوئی ترتیب دی گئی تھی۔ اور جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے مہبط وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ان تحریروں کی جمع اور ترتیب ہو بھی نہ سکتی تھی کیونکہ حافظان قرآن کے لیے تو یہ ایک آسان امر تھا کہ جب کوئی نئی آیت نازل ہوتی اور انکو بتا دیا جاتا کہ اسکو فلاں سورۃ میں فلاں آیت کے بعد پڑھو تو وہ آسانی سے یہ کر سکتے تھے مگر ایک مکمل مجلد میں بعد میں ایسی آیتیں داخل نہ ہو سکتی تھیں۔ اب جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ قراء کی زندگیاں دشمنوں کے ہاتھ سے خطرہ میں ہیں تو آپنے نہایت دور اندیشی کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ درخواست کی کہ وہ ان تحریروں کے جمع کرنیکا حکم دیں۔ یہ وہ کام تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نہیں کرایا تھا اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلے یہی جواب دیا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اسکو تم کیونکر کر سکتے ہو۔ اس

جواب سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہی ہے کہ آنحضرتؐ کے صحابہؓ وحی آلہی کے متعلق پرلے درجہ کی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر پر حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان خوب بحث ہوئی جیسا کہ فلم یزل عمر یراجعنی سے ثابت ہے یعنی حضرت عمرؓ میری باتوں کا جواب دیتے رہے۔ اب اس حدیث شریف میں اس بحث کا کچھ تذکرہ نہیں کہ کیا سوال تھے اور کیا جواب تھے مگر اخیر نتیجہ اسکا یہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کی بات بوجہ اسکے کہ وہ قوی تر وجوہ اور مضبوط تر دلایل پر مبنی تھی حضرت ابو بکرؓ نے بھی تسلیم کر لی۔ بلکہ جب زید رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابو بکرؓ کی طرح پہلے یہی جواب دیا کہ جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا اسکو تم کیونکر کر سکتے ہو تو انہی دلایل سے حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قائل کیا اور آخر انہیں بھی اسی کو تسلیم کرنا پڑا۔ قیاس سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہوگا کہ اگر تحریری طور پر قرآن شریف کو جمع کرنیکا منشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ہوتا تو آپ اسقدر احتیاط کیوں فرماتے کہ جبھی ایک آیت نازل ہوئی اسی وقت کاتبان وحی کو بلوا کر اسے لکھوایا۔ اور پھر یہ بھی بیان کیا ہوگا کہ تحریریں جمع کرنیسے ہم کوئی نیا کام نہیں کرتے بلکہ جمع تو اصل میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کر چکے ہیں اور تمام و کمال ترتیب کے ساتھ اسے حفاظ کے سینوں میں محفوظ کر چکے ہیں ہم نے صرف اسی جمع کا تتبع کرکے اصل تحریروں کو ایک مجلد کی صورت میں جمع کر دینا ہے۔ یہ چونکہ واقعات حقہ تھے اس لیے حضرت ابو بکرؓ اور زیدؓ اور پھر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے انکو تسلیم کیا۔ غرضکہ نہ حضرت عمرؓ کی تجویز مطلق جمع کے متعلق تھی اور نہ ہی حضرت ابو بکرؓ کے جواب کا منشاء یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً قرآن کو جمع ہی نہیں کیا بلکہ یہ تجویز اور جواب دونوں تحریری جمع کے متعلق تھے۔

اسی حدیث میں یہ الفاظ جو زیدؓ نے مشکلات کا خیال کرکے کہے کہ اگر مجھے ایک پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل کرنیکے لیے کہا جاتا تو مجھے جمع قرآن کی تجویز کی نسبت زیادہ دشوار نہ معلوم ہوتا ان الفاظ کو بعض کوتہ اندیش اور کم فہم معترضین نے محل اعتراض بنایا ہے اور انسے وہ یہ مطلب نکالنا چاہتے ہیں کہ گویا قرآن شریف اسوقت ایک ایسی پراگندہ صورت میں تھا کہ زید رضی اللہ عنہ اس کے جمع کرنیکو پہاڑ کے اٹھانے کی طرح ناممکن سمجھتے تھے۔ ایسے معترضین پر یہ افسوس آتا ہے کہ جب کہیں سے انکو ایسے الفاظ مل جائیں جن کو توڑ مروڑ کر وہ ایک اعتراض پیدا کر سکیں تو پھر وہ ہر ایک قسم کے بیّن ثبوت سے آنکھیں بند کرکے اعتراض کے مردار پر جھک جاتے ہیں۔ ایسی بیّن شہادتوں کے ہوتے ہوئے جنسے صفائی سے ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہؓ کی جماعت میں بہت سے حافظ قرآن کریم کے موجود تھے۔ اور کل قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عین حیات جمع ہو چکا تھا ایسی دوراز قیاس باتوں کو پیش کرنا حماقت اور تعصب کی انتہائی حد ہے۔ زید کو تو خود اس لیے بھی یہ تجویز دشوار معلوم ہو رہی تھی کہ انکے ذہن میں ابھی تک یہ بات نہ آئی تھی کہ جب تحریروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع نہیں کیا تو اور کوئی کیونکر کر سکتا ہے چنانچہ ساتھ ہی وہ یہ کہتے ہیں کہ تم اس کام کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا کیونکر کر سکتے ہو۔ لیکن اگر یہ بھی مان لیں کہ انہوں نے جمع قرآن کی مشکلات کو مدنظر رکھکر یہ الفاظ بولے

تو بھی کوئی ہرج نہیں ہے۔ اور اس سے یہ قیاس نہیں ہو سکتا کہ اس سے پہلے قرآن شریف مطلقاً جمع ہی نہ ہوا تھا۔ تجویز حضرت عمرؓ کی تحریروں کو جمع کرنیکی تھی اور یہ واقعی ایک بڑا مشکل اور بھاری کام تھا۔ چنانچہ اسکی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن ابی داؤد نے مصاحف میں بیان کیا ہے۔ قال قام عمر فقال من کان تلقٰی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً من القرآن فلیأت بہ وکانوا یکتبون ذٰلک فی الصحف والالواح والعسب قال وکان لا یقبل من احد شیئاً حتّٰی یشہد شاہدان۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور عام اعلان کیا کہ جسکو قرآن شریف کا کوئی ٹکڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست پہنچا ہو وہ اسے لے آوے اور وہ یعنی صحابہؓ قرآن شریف کو کاغذوں اور تختیوں اور کھجور کی شاخوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ پھر وہی راوی کہتا ہے کہ کسی سے کوئی چیز (یعنی لکھا ہوا قرآن کا ٹکڑا) قبول نہ کیا جاتا جبتک کہ دو گواہ گواہی نہ دیتے۔ فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۲۔ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے اور یہی شہادت حدیث زیر بحث سے بھی ملتی ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں جمع قرآن کا منشا ان اصل تحریروں کو اکٹھا کرنے کا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں لکھی گئی تھیں۔ پس یہی وہ مشکل تھی جسکو مدنظر رکھکر زیدؓ نے اس کام کو اسقدر دشوار سمجھا۔ قرآن کریم کا بہت سا حصہ مکہ میں نازل ہو چکا تھا اور جو مدینہ میں نازل ہوا تھا وہ بھی سارا زید کے قبضہ میں نہ تھا۔ کیونکہ زید کی غیر حاضری میں بعض وقت اور کاتب بھی لکھنے کے لیے بلا لیے جاتے تھے۔ حضرت زیدؓ کو منتخب اس لیے کیا گیا کہ مدینہ میں جسقدر قرآن کریم نازل ہوا تھا اس کا اکثر حصہ زیدؓ نے ہی لکھا تھا۔ اور غالباً وہ سب مسودات انہی کے قبضہ میں تھے۔ مگر اس کام کو انجام دینا واقعی ایک بڑا دشوار امر تھا۔ تمام اصلی تحریروں کو جس جسکے قبضہ میں وہ تھیں وہاں سے تلاش کرنا تھا۔ اور پھر انکو اس ترتیب کے ساتھ جو حافظان قرآن کے سینوں میں محفوظ تھی ترتیب دینا تھا۔ ہاں اسقدر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ایسی تحریروں میں سے ضایع کچھ نہ ہوا تھا بلکہ جس کسی کے پاس تھیں نہایت حفاظت سے رکھی ہوئی تھیں۔ کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کے متعلق صحابہؓ نہایت احتیاط سے کام لیتے تھے اور یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ان تحریروں کو ضایع کر دیتے جنکو وہ اپنی جانوں سے بھی عزیز تر سمجھتے تھے۔ بہرحال یہ ایک مشکل کام تھا اور ان تمام مشکلات کے پورے پورے احساس نے ہی زیدؓ کے مُنہ سے یہ الفاظ نکلوائے کہ یہ کام انکو ایک پہاڑ نظر آیا۔ ایسے موقعہ پر پہاڑ کے لفظی معنے لینا سراسر جہالت ہے مشکلات کو ہمیشہ پہاڑ سے تشبیہ دی جاتی ہے اور یہ امر صرف ہماری زبان میں ہی نہیں پایا جاتا۔

اور بھی کئی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ زیدؓ کے سپرد جو کام کیا گیا وہ ان اصلی تحریروں کو اکٹھا کرنا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھیں۔ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا یہ منشا نہیں تھا کہ جسطرح حافظ لوگ قرآن شریف کو پڑھتے ہیں اس کے مطابق ایک نسخہ لکھوا لیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے پہلے یہ لفظ تھے جو زیدؓ کو

فرمائے کہ قرآن کو تلاش کرو اور اکٹھا کرو۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ تلاش کرنیسے منشاء تحریروں کو تلاش کرنیکا ہی ہو سکتا تھا۔ اگر منشاء صرف اسیقدر ہوتا کہ حافظوں کو جمع کر کے جسطرح وہ قرآن شریف پڑھیں اسی کے مطابق ایک نسخہ لکھ لیا جاوے تو حضرت ابوبکر تلاش کرنیکا حکم نہ دیتے۔ کیونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ اسوقت تک سارا قرآن شریف حافظوں کے سینوں میں محفوظ تھا اور کوئی حصہ اسکا ضایع نہ ہوا تھا۔ نہ ہی زیدؓ اس صورت میں کام کو اسقدر مشکل سمجھ سکتا تھا کہ وہ ان مشکلات کو ایک پہاڑ کے ساتھ تشبیہ دیتا۔ ایسی صورت میں یہ کافی تھا کہ چند حافظوں کو جمع کر لیا جاتا اور جسطرح وہ لکھواتے جاتے اسی طرح حضرت زید رضی اللہ عنہ لکھتے جاتے۔ اور اسطرح صحت کا پورا اہتمام ہو سکتا تھا۔ مگر حضرت عمرؓ کا مدعا اصل تحریروں کو جمع کرنا تھا۔ جو آنحضرتؐ کی ہدایت سے لکھی گئی تھیں تا اسطرح پر نہ صرف طرز تحریر ہی محفوظ ہو کر آیندہ نسلوں تک پہنچ جائے بلکہ اصل کی تصدیق بھی دوسرے طور پر ہو جاوے۔ اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیدؓ نے اسی کے مطابق کارروائی شروع کی اور حضرت عمرؓ کے منشاء کو پورا کیا۔ کیونکہ جب انکو معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما حق پر ہیں تو پھر وہ اپنی کارروائی کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ پھر میں نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کیا۔ میں اسکو جمع کرتا تھا کھجور کی ٹہنیوں اور پتھر کی تختیوں سے اور آدمیوں کے سینوں سے۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زیدؓ دو کام کرتے تھے۔ اوّل وہ قرآن شریف کو تلاش کرتے تھے۔ اور پھر اسکو جمع کرتے تھے۔ اب جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے جمع کے مفہوم میں ترتیب ضروری پڑی ہوئی ہے۔ مگر یہ ترتیب صرف ان تحریروں سے نہ ہو سکتی تھی جو متفرق طور پر کچھ کسی اور کچھ کسی کے قبضہ میں تھیں۔ لہٰذا ترتیب کے لیے اور جمع نبوی کی پیروی کرنیکے لیے ضروری ہوا کہ جب تحریر ملجائے تو پھر اسکو ترتیب دینے کے لیے قرار یعنی حافظان قرآن کی طرف رجوع کیا جائے یہی مراد حضرت زیدؓ کی "صدور الرجال" سے حدیث مذکور میں ہے۔ کیونکہ بغیر اس جمع کی پیروی کے جو سینوں میں محفوظ ہو چکی تھی حضرت زیدؓ تحریری جمع کے کام کو پورا نہ کر سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے یہ زور دیا تھا کہ تحریری جمع کے کام کو جلدی شروع کیا جائے جبکہ ابھی بہت سے حافظان قرآن کریم زندہ تھے اور یہی وجہ تھی کہ حضرت زیدؓ نے جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے صدور الرجال کی طرف رجوع کیا۔ حدیث کے الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انھوں نے بعض سورتوں کو تو قراء سے لے لیا اور بعض کے لیے تحریریں تلاش کیں۔ کیونکہ اگر حافظوں سے ہی قرآن کا اکٹھا کرنا ان کا منشاء ہوتا تو تحریروں کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی جب انھوں نے بعض سورتوں کو قرار پر اعتبار کر کے صدور الرجال سے لے لیا تھا تو باقی سورتوں کے لیے تحریریں تلاش کرنیکی کیا ضرورت پیش آئی تھی۔ اور اگر تحریروں کی تلاش کی ضرورت تھی تو پھر سب حصوں کے لیے یکساں تھی۔ اگر حافظہ پر ہی زید نے انحصار کرنا ہوتا تو کیا یہ کافی نہ تھا کہ چند قرار کو جمع کر کے جو جیسا کہ حضرت عمرؓ کے بیان سے پایا جاتا ہے ابھی بہت سے زندہ موجود تھے اور قرآن کریم پوری طرح سے انکے سینوں میں محفوظ تھا جسطرح وہ پڑھکر سناتے جاتے اسی طرح لکھتے جاتے تلاش کرنیکی کوئی ضرورت نہ تھی۔

اس جمع کے متعلق جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے ہوئی اہم ترین سوالات یہ ہے کہ آیا یہ صحف جمع شدہ قرآن کریم کے ساتھ جیسا کہ وہ حافظوں اور قراء کے سینوں میں محفوظ تھا اور جس طرح کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پڑھا جاتا تھا بعینہٖ مطابق تھے۔ یعنی آیا ان میں کسی قسم کی کمی یا بیشی یا ترتیب مضامین میں خلل تو واقع نہیں ہوا تھا؟ بہت سے ایسے وجوہ ہیں جن پر غور کرنے سے یہ یقین کامل ہو جاتا ہے کہ اس مجموعہ میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں ہوا تھا اور نہ کوئی کمی بیشی ہوئی تھی۔ اوّل جو لوگ اس کام کی تکمیل چاہتے تھے ان میں سے کسی کی غرض یہ نہ تھی کہ کسی قسم کا تغیر و تبدل ہو بلکہ وہ دل وجان سے اور پوری ہمت اور مستعدی سے اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ کسی طرح قرآن شریف کمال حفاظت کے ساتھ آئندہ نسلوں تک پہنچایا جائے بلکہ انکا ایمان کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے کہ کسی قسم کا نقص قرآن کریم کی حفاظت میں واقع ہو۔ دوم یہ جمع کا کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف چھ ماہ بعد شروع ہو گیا تھا اور ابھی قریباً سب کے سب وہ صحابہؓ زندہ موجود تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کے منہ سے قرآن شریف سنا اور حفظ کیا تھا۔ علاوہ حفاظ اور قراء کے دوسرے لوگ بھی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم کو سنا تھا اس قابل تھے کہ اگر کسی قسم کی کمی بیشی یا تغیر اس کلام پاک میں ہو تو وہ فوراً اسکو سمجھ جائیں۔ پس ممکن نہ تھا کہ کوئی کمی بیشی یا تغیر ہوتا اور یہ بات خاموشی میں دب جاتی۔ سوم ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حدیث کے نقل کرنے میں پرلے درجہ کی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ پس ممکن نہ تھا کہ وہ وحی الٰہی میں کوئی کمی بیشی یا تغیر کرنیکی جرأت کرتے جسقدر عظمت انکے دلوں میں کلام الٰہی کی تھی اس کے ساتھ افترا کا جمع ہونا یا عمداً کسی حصہ کو چھوڑ دینا ناممکن تھا۔ چہارم بہت سے ان میں ایسے تھے جو سارا قرآن شریف حفظ رکھتے تھے۔ اور ایک گروہ کثیر ایسا تھا جنکو بڑا حصہ قرآن شریف کا یاد تھا۔ کسی کو کوئی حصہ اور کسی کو کوئی حصہ اور جو کچھ کسی کو یاد تھا وہ اس کی برابر تلاوت میں لگے رہتے تھے نمازوں میں بھی اور نمازوں سے باہر بھی۔ ایسے آدمیوں کی موجودگی میں یہ ناممکن تھا کہ کوئی کمی بیشی یا تغیر واقع ہو سکتا۔ پنجم صحابہؓ کے درمیان قرآن کریم کے اجزا کے بہت سے نسخے مروّج تھے۔ اور یہ نسخے ابتدائے زمانہ سے ہی مروّج تھے۔ ہر ایک آیت یا حصہ جب نازل ہوتا تو پہلے ایک تحریر آنحضرتؐ کے سامنے لکھی جاتی پھر اسی سے صحابہؓ اپنے اپنے طور پر لکھ یا لکھوا لیتے۔ اب یہ نسخے متفرق طور پر کوئی کسی صحابی کے پاس اور کوئی کسی صحابی کے پاس موجود تھے۔ اور اس مجموعہ کی صحت کو پرکھنے کے لیے جو زید رضی اللہ عنہ نے تیار کیا تھا کافی تعداد دوسری تحریروں کی موجود تھی۔ ایسا ہی جو نسخہ ایک صحابی کے پاس تھا اس کا مقابلہ دوسرے سے ہو سکتا تھا۔ اور اس طرح پر زیدؓ کے مجموعہ میں کسی غلطی کے داخل ہونیکا امکان باقی نہیں رہتا۔ ایک طرف حافظ کی زبردست شہادت اور دوسری طرف تحریر کی مضبوط گواہی ان دونوں میں سے ہر ایک بجائے خود ہی بڑی بھاری گواہی تصدیق صحت کے لیے کافی تھی مگر دونوں نے ملکر وہ کام کیا جس کی نظیر دنیا کی کسی دوسری کتاب میں نہیں پائی جاتی اگر کوئی اسکی نظیر ہے تو بیان کرو۔ ششم کسی روایت یا حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں جو جمع قرآن ہوئی اس میں کچھ نقص تھا یعنی کوئی حصہ داخل ہونیسے رہ گیا تھا یا کوئی ایسا حصہ داخل ہو گیا تھا جو کلام الٰہی نہ سمجھا جاتا تھا۔ خود میور کو اس بات کا اقرار ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے "کوئی اجزا کوئی

فقرے یا کوئی الفاظ ایسے نہیں سنے گئے جو جمع کرنیوالوں نے چھوڑ دیئے ہوں نہ ہی کوئی ایسے پائے جاتے ہیں جو اس مسلّم مجموعہ سے اختلاف رکھتے ہوں اگر ایسے کوئی اجزا یا فقرے یا الفاظ ہوتے تو ضرور تھا کہ انکا تذکرہ ان احادیث میں پایا جاتا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کی نسبت چھوٹی سے چھوٹی باتیں بھی محفوظ رکھی گئی ہیں"

پس اس بات کا یقین کرنیکے لیے کہ حضرت ابوبکر رضؓ کے حکم سے جو مجموعہ صحف تیار ہوا تھا وہ کیا بلحاظ ترتیب ور کیا بلحاظ عبارت کے اس مجموعہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ہدایت سے تیار ہو کر صحابہؓ کے سینوں میں محفوظ ہو چکا تھا پوری پوری مطابقت رکھتا تھا اقوی ترین وجوہات موجود ہیں اگر ایسی مطابقت نہ ہوتی تو صحابہؓ کبھی اس مجموعہ کو جو زیدؓ نے تیار کیا تھا قبول نہ کرتے۔ یہ مجموعہ بعد تکمیل حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا اور آپ کی وفات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا پھر آپکی وفات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ کے پاس رہا اور حضرت عثمان کے وقت میں انہیں کے پاس موجود تھا اس طرح یہ مجموعہ بغیر کسی تغیر تبدل کے حضرت عثمانؓ کے وقت تک پہنچ گیا۔ یہ بھی اغلب ہے کہ اس نسخہ سے دوسرے لوگوں نے اپنے اپنے لیے نسخے لکھ لیے ہوں اور اس طرح پر اس کی کافی اشاعت بھی ہو گئی۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض امور ایسے پیدا ہوئے کہ امیر المومنین نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ بڑی احتیاط اور حفاظت کے ساتھ اپنے اہتمام میں چند نسخے اسی اصل مجموعہ سے لکھوا کر شایع کیے جاویں۔ اور ان نسخوں کی اشاعت کو جو ابتک بطور خود لوگوں نے لکھ رکھے تھے روکدیا جاوے چنانچہ وہ حدیث جس میں ان واقعات کا تذکرہ ہے صحیح بخاری میں درج ہے اور حسب ذیل ہے۔ عن انس بن مالك ان حذيفة ابن اليمان قدم على عثمان وكان يغازی اهل الشام فی فتح ارمينية واذربيجان مع اهل العراق فافزع حذيفة اختلافهم فی القراءة فقال حذيفة لعثمان يا امير المؤمنين ادرك هذه الامة قبل ان يختلفوا فی الكتاب اختلاف اليهود والنصارى فارسل عثمان الى حفصة ان ارسلى الينا بالصحف ننسخها فی المصاحف ثم نردها اليك فارسلت بها حفصة الى عثمان فامر زيد بن ثابت وعبد الله بن الزبير وسعيد بن العاص وعبد الرحمن بن الحرث بن هشام فنسخوها فی المصاحف وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة اذا اختلفتم انتم وزيد بن ثابت فی شئ من القرآن فاكتبوه بلسان قريش فانما نزل بلسانهم ففعلوا حتى اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان الصحف الى حفصة فارسل الى كل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواه من القرآن فی كل صحيفة او مصحف ان يحرق۔ ترجمہ۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حذیفہ ابن الیمان حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور ان دنوں وہ فتح ارمینیہ میں اہل شام کے ساتھ اور آذربیجان میں اہل عراق کے ساتھ جنگ کرتے تھے۔ وہاں ان لوگوں کی قراۃ نے حذیفہ کو گھبرا دیا پس وہ حضرت عثمان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا

کہ اے امیر المومنین اس امت کی خبر لو قبل اسکے کہ وہ کتاب میں ایسا اختلاف کرنے لگیں جیسا کہ یہود اور نصاری کرتے ہیں۔ اسپر حضرت عثمان نے حفصہ کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ صحیفے (یعنی مجموعہ قرآن جو حضرت ابوبکر کے وقت میں تیار ہوا تھا) ہمارے پاس بھیجدو ہم اس کی نقلیں مصحفوں میں کرلیں گے۔ اور پھر اصل صحیفے آپ کو واپس بھیجدینگے۔ حفصہ نے ان صحیفوں کو حضرت عثمان کے پاس بھیجدیا اور حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابت اور عبداللہ بن زبیر اور سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حرث بن ہشام کو حکم دیا پس ان لوگوں نے ان صحیفوں کو مصاحف میں نقل کیا۔ اور حضرت عثمان نے قریشی جماعت کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ جب تم اور زید بن ثابت (جو مدنی تھے) کسی امر میں اختلاف کرو تو اسکو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ پس انہوں نے آپکے احکام کی تعمیل کی اور جب صحیفوں کو مصاحف میں نقل کرچکے تو عثمانؓ نے وہ صحیفے حفصہ کو واپس بھیجدیئے۔ اور ہر ایک طرف میں ایک مصحف ان میں کا جو لکھے گئے تھے بھیجدیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جس صحیفہ یا مصحف میں قرآن لکھا ہوا ہو اسکو جلا دیا جاوے۔

اس حدیث سے ان حالات کا اندازہ لگ سکتا ہے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو اس حکم کے دینے پر مجبور کیا کہ تمام اوراق جنپر بطور خود بعض لوگوں نے قرآن شریف کل یا اس کا کوئی جزو لکھ لیا تھا جلا دیئے جاویں اور آیندہ کے لیے ان صحیفوں سے نقلیں لی جاویں جو خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بن ثابت کے مجموعہ سے نقل کرائے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی افواج کا ایک جرنیل جو ارمینیا اور آذربائیجان میں جنگ کر رہی تھیں آپکے پاس آیا اور یہ بیان کیا کہ لوگوں میں اختلاف قرأت ہو رہا ہے۔ یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اختلافات کا ہونا ملک شام اور ارمینیا وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے اور ایسے مقامات پر جیسے مکہ اور مدینہ یا عرب کے اندر ایسے اختلافوں کی کوئی شکایت نہیں کی گئی۔ اب شام اور ارمینیا نئے نئے فتح شدہ ملک تھے اور ان ملکوں کے لوگ جن کی زبان عربی نہ تھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ یہ اختلافات کس قسم کے تھے خود حذیفہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف قرأت یعنی پڑھنے کی طرز میں اختلافات تھے۔ پھر یہ بھی ان اختلافات کی نسبت بتایا گیا ہے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سے اختلاف نہ تھے ہاں یہ اندیشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر بروقت خبر نہ لی گئی تو یہ اختلاف بڑھتے بڑھتے یہود اور نصاریٰ کے سے نہ ہو جاویں۔ کیونکہ اگر رفع اختلاف نہ کیا جاوے تو ضرور ہے کہ مرور زمانہ سے وہ اختلاف کچھ کا کچھ رنگ پکڑ لیں۔ واقعی کن کن الفاظ میں اور کیا کیا فرق تھا اس کا جواب دینا ایک مشکل امر ہے مگر بعض دوسری احادیث اور روایات پر غور کرنیسے ان اختلافات کا کچھ پتہ لگتا ہے احادیث میں یہ ذکر موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض الفاظ کو لغت قریش کے سوا دوسری لغتوں میں ادا کرنیکی اجازت دی تھی۔ اور اسوقت بھی بعض لوگوں کو جنکو اس اجازت کی خبر نہ تھی ایسے لوگوں کو دیکھکر اور سنکر جو کسی لفظ کو دوسری لغت میں ادا کرتے تھے ابتلا پیش آیا تھا۔ چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ہشام رض کو پڑھتے سنکر انکی گردن میں چادر ڈالکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو لے گئے کہ

یہ غلط پڑھتا ہے اور آنحضرت صلعم نے ہشام رض کے پڑھنے کو صحیح قرار دیا۔ اس اجازت کی اصل وجہ یہ تھی کہ جب کثرت سے عرب اسلام میں داخل ہوئے تو انمیں بعض اقوام ایسی تھیں جن کی بولی اگرچہ عربی تھی مگر خالص محاورہ قریش کے بولنے پر وہ قادر نہ تھے۔ اور ابتداء سے ہی انکو بعض الفاظ کے خاص طریقوں پر ادا کرنیکی عادت ہوگئی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ کیطرف سے یہ اجازت دیگئی کہ وہ لوگ جن حروف کو زبان قریش میں ادا نہیں کرسکتے انہیں اپنے محاورہ میں ہی اور اپنی طرز پر ادا کرلیں۔ مگر میں اسوقت اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتا کیونکہ "سبعۃ احرف" (سات حروف) اور قرأت مختلفہ کی بحث انشاء اللہ الگ عنوان کے نیچے کی جائیگی۔ بہر حال یہ امر ظاہر ہے کہ مختلف حروف میں بعض الفاظ کو ادا کرنیکی اجازت ایک ضرورت پر مبنی تھی اور اس اجازت سے وہ لوگ فایدہ اُٹھا سکتے تھے جو بچپن سے بعض الفاظ کو خاص طرز پر ادا کرنیکی عادی ہو گئے تھے۔ اور محاورہ قریش میں جس میں قرآن شریف نازل ہوا تھا انکو ادا نہ کرسکتے تھے مگر اب جبکہ اسلام کثرت سے عرب کے باہر پھیل گیا۔ تو یہ ضرورت بھی ایک حد تک مفقود ہوگئی کیونکہ جن لوگوں نے عربی زبان کو سیکھا تھا اور عربی انکی اپنی زبان نہ تھی انکے لیے یہ برابر تھا کہ ایک لفظ کو محاورہ قریش میں ادا کریں یا کسی دوسری قوم کے محاورہ میں۔ مگر بعض صحابہ رض جو ایسے مرکزوں میں قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے وہ ابتک قرآن شریف کو بعض دوسرے حروف پر پڑھاتے تھے اور محاورہ قریش میں انکو ادا نہ کرتے تھے۔ یہ بھی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ بعض نے عمداً اور بلاوجہ بھی بعض قرأتوں کو اختیار کرلیا تھا اور انہی کے مطابق نومسلموں کو بھی تعلیم دیتے تھے۔ کوفہ میں خصوصیت سے اس بات کا ہونا پایا جاتا ہے اور اس جگہ کے اختلافات کو دیکھ کر حذیفہ حضرت عثمان رض کے پاس پہنچے تھے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حذیفہ نے ان لوگوں کو ملامت کی جو اس قسم کی تفرقہ اندازی کرتے تھے بعض کہتے تھے ہم ابن مسعود کی قرأت پڑھتے ہیں بعض کہتے تھے ہم ابی بن کعب کی قرأت پڑھتے ہیں کوئی کہتا تھا میری قرأت تمھاری قرأت سے بہتر ہے بلکہ یہانتک نوبت پہنچی تھی کہ بعض بعض کی انہی باتوں کی وجہ سے تکفیر کرنے لگے کیونکہ وہ لوگ اسلام میں حدیث العہد ہونیکی وجہ سے اصلیت سے ناواقف تھے۔ حالانکہ اگر پڑھانیوالے احتیاط کرتے تو یہ سب لوگ اصل محاورہ قریش پر آسانی سے پڑھ سکتے تھے۔ حضرت عمر رض کے وقت کا ایک واقعہ بھی اسکی تائید کرتا ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر کے پاس خبر پہنچی کہ ابن مسعود حتی حین کی بجائے عتی حین پڑھاتے ہیں اسپر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود کے نام حکم جاری کیا کہ قرآن شریف کا اصل نزول لسان قریش میں ہی ہے پس آپ ہذیل کی لغت میں لوگوں کو قرآن نہ پڑھائیے۔ کیونکہ ہذیل حتی کی بجائے عتی بولتے تھے۔ جیسا کہ کسی عربی لغت کے دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے اب اگرچہ حتی حین کو عتی حین پڑھنے کی اجازت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاورہ ہذیل کے سبب سے دی مگر ان نومسلموں کو ہذیل کی لغت پر قائم کرنا بلا ضرورت اختلافات ڈالنا تھا۔ اس لیے حضرت عمر رض نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو منع کیا (دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۴) ومن ثم انکر عمر علی ابن مسعود قرأته عتی حین وکتب الیه ان القرآن لم ینزل بلغة هذیل فاقرئ الناس بلغة قریش ولا تقرئهم بلغة هذیل۔ پس ایک تو یہ بلا

ضرورت اختلاف قرأت کو پھیلانا - اور پھر دوسری طرف ان نومسلموں کا ناواقفیت کی وجہ سے ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگانا یہ ایسے امور تھے جنہوں نے حذیفہ اور عثمان رضی اللہ عنہما کے دلوں میں خطرہ پیدا کیا - اس کا علاج سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ مختلف حروف کو جن میں قرآن شریف کے پڑھنے کی اجازت دیگئی تھی تحریر میں نہ لایا جاوے بلکہ ایسے تمام نسخوں کو محو کر کے ایسے نسخے مناسب احتیاط سے لکھوا کر شایع کیے جاویں جو قریش کے محاورہ کے مطابق لکھے گئے تھے کیونکہ یہی وہ محاورہ تھا جس میں قرآن کریم نازل ہوا اور دوسرے حروف میں پڑھنے کی اجازت بعد میں اور خاص ضرورتوں کے لیے دیگئی تھی پس جب وہ ضرورتیں نہ رہیں تو اس اجازت کی بھی ضرورت نہ رہی -

اب جب ہمیں ان اختلافوں کی جن کو دیکھکر حذیفہ کو خطرہ پیدا ہوا تھا اور جنکی اصلاح عثمان رضی اللہ عنہ کے مدنظر تھی کچھ حقیقت معلوم ہوگئی تو اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضرت عثمان نے اس موقعہ پر قرآن شریف کی نقل کرنے میں کیا کیا خاص ہدایات دی تھیں - جہانتک ان کا تذکرہ حدیث شریف میں ہے وہ یہ لفظ ہیں کہ اذا اختلفتم انتم و زید بن ثابت فی شیٔ من القرآن فاکتبوہ بلسان قریش فانہ نزل بلسانہم - یعنی جب تمہارا اور زید بن ثابت کا کچھ اختلاف ہو تو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن شریف قریش کی زبان میں ہی نازل ہوا ہے - اور یہ بھی ساتھ ہی لکھا ہے کہ ففعلوا ذلک یعنی انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی - اس سے معلوم ہوگیا کہ حضرت عثمانؓ نے اس سے آگے قدم نہیں رکھا جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رکھا تھا - کیونکہ جیسا انہوں نے ابن مسعود کو لکھا تھا کہ ہذیل کے محاورہ پر قرآن شریف لوگوں کو مت پڑھاؤ بلکہ قریش کی زبان میں پڑھاؤ کیونکہ قریش کی زبان میں ہی نازل ہوا ہے - اسی طرح حضرت عثمانؓ نے بھی اختلاف کے وقت لسان قریش کو ہی اختیار کیا - صرف فرق اتنا تھا کہ حضرت عثمانؓ کے وقت میں سنئے مسلمانوں کی بہت کثرت کے سبب سے اختلافات احرف یا قرأت بھی بڑھ گئے بلکہ انسے بعض برائیاں پیدا ہونے لگیں - اسلیے حضرت عثمانؓ نے ان برائیوں کو سرے سے ہی اڑا دیا - ایک اور حدیث میں جو وہ بھی بخاری کی ہے حدیث منقولہ بالا میں "فی شیٔ من القرآن" کی بجائے الفاظ "فی عربیۃ من عربیۃ القرآن" وارد ہوئے ہیں جن سے ہماری بات کی تائید ہوتی ہے - یعنی یہ کہ اختلافات احرف محاورہ کے ہی اختلافات تھے کہ ایک شخص ایک لفظ کو ایک طرح پر بولتا یا لکھتا تھا اور دوسرا دوسری طرح پر - اب حضرت زیدؓ جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے وقت میں قرآن شریف کو جمع کیا تھا اور جواب بھی نسخے لکھنے پر متعین ہوئے تھے قریش نہ تھے - مگر ان کے ساتھ تین اصحاب اور قریش تھے - اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے احتیاطاً یہ ہدایت کی کہ بصورت اختلاف لسان قریش کے مطابق لکھیں - اس اختلاف کی ایک ہی مثال احادیث سے معلوم ہوتی ہے جس کو ترمذی نے اس حدیث کے ساتھ جو بخاری کی روایت سے ہم نے اوپر نقل کی ہے ابن شہاب کی سند سے بیان کیا ہے - اور وہ یہ ہے - فاختلفوا یومئذ فی التابوت والتابوہ فقال القرشیون التابوت وقال زید التابوہ فرفع اختلافہم الی عثمان فقال

المکتبوہ التابوت فانہٗ نزل بلِسان قریش۔ ترجمہ۔ اس موقعہ پر زید اور قریشیوں کا اختلاف لفظ تابوت اور تابوہ کے متعلق ہوا۔ قریش کہتے تھے کہ اس لفظ کو تابوت لکھنا چاہیئے اور زیدؓ کہتے تھے کہ تابوہ لکھنا چاہیئے۔ یہ انکا اختلاف بالآخر حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش ہوا آپ نے فرمایا کہ تابوت لکھو کیونکہ قرآن شریف زبان قریش میں ہی نازل ہوا ہے۔ اس واقعہ سے نہ صرف یہی پتہ لگتا ہے کہ زید اور قریش میں اختلاف کی کیا حقیقت تھی بلکہ اس سے ان اختلافات کا اندازہ بھی لگتا ہے جنکا ذکر حذیفہ نے کیا تھا۔ جن اختلافوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دُور کرنا چاہتے تھے وہ زیادہ تر اسی قسم کے اختلاف تھے۔ یہ اختلاف ایک ضرورت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے جائز ہو گئے تھے مگر اب غیر عربی اقوام کے کثرت سے اسلام میں داخل ہونیسے یہ ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ اور اس لیے حضرت عثمانؓ نے یہ ضروری سمجھا کہ انکو دُور کر دیا جاوے۔ اور جیسا کہ ہم آگے چلکر سبعۃ احرف کی بحث میں دکھا دیں گے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی کبھی یہ اجازت نہ ہوئی تھی کہ ان اختلافات احرف کو تحریر میں لایا جاوے یا قرآن شریف کے اندر لکھا جاوے۔ اسی قسم کے اختلافات کو دُور کرنیکی غرض سے حضرت عثمانؓ نے یہ حکم صادر فرمایا کہ تمام نسخے جو لوگوں نے بطور خود لکھ لیے ہیں اور اس لیے ان میں کافی احتیاط نہیں ہوئی محو کر دیئے جاویں۔ چنانچہ ایک روایت میں انکے یہ الفاظ آئے ہیں محوت ما عندی فامحوا ما عندکم۔ جو میرے پاس تھا وہ مَیں نے محو کر دیا ہے پس جو تمہارے پاس ہے تم اسی محو کر دو۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا حضرت عثمان نے جو نسخے اسقدر احتیاط سے صحف ابی بکر رضی اللہ عنہ سے نقل کرائے ان میں اور اس اصل میں کوئی فرق تھا؟ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ والے صحف میں بغیر کسی تغیر تبدل اور بغیر ادنیٰ سے ادنیٰ کمی زیادتی کے وہی قرآن شریف تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے صحابہ رضؓ کو حفظ اور جمع کرایا تھا۔ پس اب اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ عثمانی صحیفے بعینہٖ صحف ابی بکر کی نقل تھے تو ہمارا مدعا ثابت ہو جاتا ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لیکر آجتک قرآن شریف میں نہ کسی قسم کا تغیر و تبدل ہوا نہ کوئی کمی زیادتی ہوئی نہ اسکی ترتیب میں کچھ ادل بدل ہوا بلکہ تمام و کمال حفاظت کے ساتھ وہی قرآن کریم ہمارے ہاتھوں تک پہنچا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو پڑھایا اور حفظ کرایا تھا اور جو آپکے روبرو لکھ لیا گیا تھا۔ اس سوال کو حل کرنیکے لیے جو ہم نے ابھی پوچھا ہے سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ حذیفہ کے بیان پر سب سے پہلی تجویز حضرت عثمانؓ کو اختلافات دُور کرنیکی کیا سوجھی وہ تجویز یہی تھی کہ آپنے معاً ام المومنین حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ صحف ابی بکر ہمارے پاس بھیجدو ہم انسے نقلیں اتروا کر واپس بھیج دیں گے۔ ایک غور کرنیوالی طبیعت اس سے فی الفور یہ سمجھ سکتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کیا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جو ارادہ ظاہر فرمایا وہ صرف یہی تھا کہ حضرت ابو بکر والے صحف کی نقلیں کرا کر مختلف اطراف میں بھیجدی جاویں۔ اب حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں جمع کا اہتمام زیدؓ کے سپرد ہی تھا۔ اور اب بھی حضرت عثمانؓ نے زیدؓ کے سپرد ہی یہ کام کیا۔ جس سے اور بھی وضاحت سے انکا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحف ابی بکر سے کسی قسم کا:

اختلاف نہ کرنا چاہتے تھے۔ ہاں اس موقعہ پر انہوں نے یہ کیا کہ زید کے ساتھ تین ۳ قریش اور لگا دیئے بلکہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ ۱۲ آدمی اس کام پر متعین کیے گئے تھے اور یہ ہدایت فرمائی کہ جب زید اور قریشیوں میں اختلاف کسی لفظ کی طرز تحریر کے متعلق ہو تو قریشیوں کے محاورہ میں وہ لفظ لکھا جاوے کیونکہ قرآن شریف لسان قریش میں ہی نازل ہوا تھا۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ زید اور قریشیوں میں واقعی اختلافات ہوئے بھی تھے بلکہ یہ ایک احتیاط تھی۔ اگر کوئی اختلاف ہوا بھی تو وہ ایک لفظ سے زیادہ کا اختلاف نہ تھا۔ جیسا کہ ترمذی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر صرف ایک ہی اختلاف لفظ تابوت کے لکھنے کے متعلق ہوا۔ اور یہ اختلاف حضرت عثمانؓ کے سامنے پیش کیا گیا۔ زید کہتے تھے کہ تابوہ لکھا جائے اور قریش کہتے تھے تابوت لکھا جاوے۔ اس کے سوائے اور کسی اختلاف کا جو زید اور قریشیوں کے درمیان ہوا ہو کوئی تذکرہ کسی حدیث میں نہیں پایا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو صحف حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں زید نے جمع کیے تھے اور جو حضرت عثمانؓ نے اس موقعہ پر حضرت حفصہ سے منگوائے انہیں کی نقل بعینہٖ حضرت عثمانؓ نے مصاحف میں کرائی۔ اور اس نسخہ سے کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے اپنے الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت حفصہ کو جو پیغام انہوں نے بھیجا وہ یہ تھا۔ ارسلی الینا بالصحف ننسخہا فی المصاحف ثم نردھا الیک۔ آپ صحف کو ہمارے پاس بھیجدیں تاکہ ہم اسے اور صحیفوں میں لکھ لیں اور اصل پھر آپ کو واپس کر دینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یعنی چند صحیفے لکھوا کر اصل کو واپس کر دیا گیا۔ اگر اس اصل میں اور ان نسخوں میں جو حضرت عثمانؓ نے لکھوائے کوئی اختلاف ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ وہ بعد میں ظاہر نہ ہو جاتا اور اگر حضرت عثمانؓ کی خلافت میں اسکے ظاہر ہونے میں کوئی دقت بھی تھی تو بہر حال حضرت علی کے وقت میں ایسا کوئی مانع نہ تھا۔ اور اسوقت بھی یہ اصل نسخہ موجود تھا۔ اُسوقت تو اسلام میں کئی فریق بھی ہو گئے تھے پس اگر ایک فریق اس کا خواہاں نہ بھی ہوتا تو دوسرا ضرور ایسے اختلافات کو ظاہر کر دیتا۔ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو قرآن شریف پڑھتے ہوئے شہید کر دیا تھا کیا ممکن تھا کہ انکے ہاتھ میں اگر کسی ایسے اختلاف کا آنا ممکن ہوتا تو وہ اسکو ظاہر کر کے خلیفہ کے خلاف الزام قایم نہ کرتے اور اسطرح پر لوگوں کی نظروں میں اپنے اس فعل کو جایز دکھانیکی کوشش نہ کرتے۔ پس جس صورت میں ایک ذرہ بھر شہادت اس امر کی کسی حدیث سے نہیں ملتی کہ صحف ابی بکر سے مصاحف عثمانؓ کا کچھ اختلاف تھا اور برخلاف اسکے صریح شہادت ملتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اسی اصل سے جو حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں تیار ہوا تھا اور اسی کاتب کی معرفت جس نے حضرت ابو بکرؓ کے وقت میں صحف کو جمع کیا تھا چند نسخے لکھوائے تو یہ نتیجہ یقینی اور قطعی ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ والے مصاحف حرف بحرف نقل صحف ابی بکر کی تھے۔ اور اصل میں اور ان نسخوں میں جو حضرت عثمانؓ نے لکھوائے کسی قسم کا فرق نہ تھا۔

اگر حضرت عثمان رضؓ کا یہ حکم کہ وہ تمام اوراق جن پر خود بخود لوگوں نے قرآن شریف لکھ لیا تھا جلا دیئے جاویں صحابہؓ کی نظر میں قابل اعتراض یا ناجایز ہوتا تو وہ کبھی اسکو گوارا نہ کرتے۔ حضرت عثمانؓ کی طاقت تو خود صحابہؓ سے تھی۔ پس

اگر وہی مخالف ہوتے تو حضرت عثمان قطعاً ایسی کارروائی کرنیکی جرأت نہ کر سکتے تھے بلکہ ایسی صورت میں ساری اسلامی دنیا انکے برخلاف اٹھ کھڑی ہوتی۔ مگر معتبر روایات سے ثابت ہے کہ انہوں نے نہ صرف آپ کی اس کارروائی پر کوئی اعتراض ہی نہیں کیا۔ بلکہ اسکو پسند کیا اور اس میں حضرت عثمانؓ کو مدد بھی دی۔ اول محرک اس کے حذیفہ رضی اللہ عنہ تھے۔ جو کہ ارمینیا سے اسی غرض سے آئے تھے اور جب حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ امر پیش ہوا تو پہلا کام جو انہوں نے کیا وہ یہ تھا کہ صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ لیا کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایک روایت جسے ابن ابو داؤد نے بیان کیا ہے اور جسکے اسناد کو صحیح مانا گیا ہے یوں ہے۔ قال قال علی لا تقولوا فی عثمان الا خیرا فواللہ ما فعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملا منا قال ما تقولون فی ھٰذہ القراءۃ فقد بلغنی ان بعضھم یقول ان قراءتی خیر من قراءتك وھٰذا یکاد ان یکون کفرا قلنا فما تری قال اری ان نجمع الناس علی مصحف واحد فلا تکون فرقۃ و اختلاف قلنا فنعم ما رایت۔ یعنی حضرت علی نے کہا کہ عثمان کے حق میں سوائے کلمہ خیر کے کچھ نہ کہو۔ کیونکہ مصاحف کے بارے میں جو انہوں نے کیا وہ ہمارے مشورہ سے ہی کیا۔ انہوں نے ہم سے دریافت کیا کہ تم اس قرأت میں کیا کہتے ہو کیونکہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے اور قریب ہے کہ ایسا کلمہ کفر کا ہو جائے۔ ہم نے کہا آپ کی کیا رائے ہے انہوں نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کریں تا کہ کوئی فرقہ اور اختلاف نہ رہے ہم نے جواب دیا کہ آپ کی رائے بہت اچھی ہے۔" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہؓ کے مشورہ کے بعد یہ کام کیا۔ ایک روایت کے بموجب بارہ آدمی اس مجلس میں شامل تھے جنکی سپرد قرآن شریف کے کئی نسخے لکھوانیکا کام کیا گیا تھا چنانچہ زید۔ سعید۔ ابی۔ انس بن مالک عبداللہ بن عباس وغیرہم کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف چار آدمی اس اہتمام پر تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتداءً یہ کام چار صحابہ کے سپرد کیا گیا اور بعد میں اس تعداد کو بڑھا دیا گیا۔ جس کی وجہ شاید یہ ہو کہ جتنے نسخے پہلے تیار کرانیکا خیال ہو بعد میں ان سے زیادہ کی ضرورت محسوس ہوئی ہو۔ عبداللہ بن مسعود ہی ایک ایسے شخص تھے جو علم قرآن میں مشہور ہونیکے باوجود اس مجلس میں شامل نہیں ہوئے۔ لیکن انکو اس وجہ سے باہر نہ رکھا گیا تھا کہ انکے خلاف کسی کو کوئی ضد یا تعصب تھا۔ بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ وہ اسوقت مدینہ میں موجود نہ تھے بلکہ بہت دور یعنی کوفہ میں رہتے تھے۔ اگر انکو بلوایا جاتا اور انکا انتظار کیا جاتا تو کام میں بڑا التوا پڑتا۔ اس لیے کام کو جلدی کرنیکی خاطر انکو شامل نہ کیا جا سکا مگر جیسا کہ صحابہؓ کے مشورہ سے یہ کام شروع ہوا تھا ایسا ہی اسکی تکمیل پر اور حضرت عثمان کے اس حکم پر کہ باقی تمام اوراق کو جلا دیا جائے صحابہؓ نے پوری رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ مصعب بن سعد کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ نے اوراق قرآن کریم کو جو خود بخود لوگوں نے نقل کر لیے تھے جلانیکا حکم دیا تو میں بہت سے صحابیوں سے ملا مگر ان میں سے کسی نے حضرت عثمانؓ کے اس فعل پر اعتراض نہیں کیا بلکہ اسے پسند ہی کیا۔ اصل میں جیسا کہ کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے حضرت عثمانؓ کو زیادہ تر فکر اختلاف قرأت

سے نہیں ہوا بلکہ اس بات سے کہ جو لوگ اختلاف قرأت کی اصل وجہ سے ناواقف تھے انہوں نے ایسے اختلافات کو مباحثوں اور جھگڑوں کا ذریعہ بنا لیا۔ پس جب عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ نے یہ دیکھا کہ ایسے اختلافات فساد اور غلطیوں کا موجب ہو رہی ہیں اور جس ضرورت کیلیے انکی اجازت دی گئی تھی وہ ضرورت باقی نہیں رہی تو انہوں نے مصلحت اسی بات کو سمجھا کہ ان اختلافات کا دروازہ آیندہ بند کر دیا جاوے۔

حضرت ابن مسعودؓ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس کام میں شریک نہ ہو سکے۔ اور تمام جماعت صحابہؓ میں سے ایک وہی شخص تھے جنہوں نے بعض روایات کے مطابق حضرت زیدؓ کے متعلق نازیبا الفاظ بولے۔ اگرچہ یہ احادیث اعلیٰ طبقہ احادیث میں سے نہیں ہیں مگر تاہم ان پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ انکی بنا پر یہ کہا جاتا ہے کہ ابن مسعودؓ جیسے صحابی نے حضرت عثمانؓ سے اختلاف کیا۔ ایک روایت ان میں سے یہ ہے کہ ایک ایسے آدمی کو قرآن کے لکھنے پر مامور کیا گیا ہے جو ابھی ایک کافر باپ کی پیٹھ میں تھا جبکہ میں مسلمان ہو چکا تھا۔ الفاظ اس روایت کے جسے ترمذی نے نقل کیا ہے یہ ہیں۔ ان عبد الله بن مسعود کرہ لزید بن ثابت نسخ المصاحف وقال یا معشر المسلمین اعزل عن نسخ کتابة المصاحف ویتولاھا رجل والله لقد اسلمت وانهٗ لفی صلب رجل کافر۔ ان الفاظ سے مراد ابن مسعودؓ کی صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ عمر میں اور اسلام میں زید بن ثابت پر تقدم رکھتے تھے۔ اب یا تو یہ حدیث غلط ہے اور یا ابن مسعودؓ نے غلطی کھائی۔ اسلام میں تقدم یا عمر میں بڑے ہونا ایسے امور نہ تھے جو کتابت قرآن میں بھی فضیلت کو ثابت کر سکتے اور اس لیے ان الفاظ سے کچھ مطلب نہیں نکلتا۔ مگر جب کتابت کے معاملہ میں فضیلت کو دیکھا جاتا ہے تو یہ فضیلت یقیناً زید بن ثابت کو حاصل تھی۔ جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور زید بن ثابت اسلام میں داخل ہوئے کتابت وحی کا کام زیادہ تر انہی کے سپرد رہا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات ہی وہ کاتب الوحی کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کتاب کی صورت میں قرآن شریف کو جمع کرنیکی ضرورت محسوس ہوئی تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما دونوں کی نظر زید بن ثابت پر ہی پڑی حالانکہ ابن مسعودؓ بھی اسوقت وہیں موجود تھے اور حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ سے بڑھکر کوئی شخص اس امر کو نہ سمجھتا تھا کہ سب سے زیادہ موزون اس کام کے لیے کون ہے اگر واقعی ابن مسعودؓ زیدؓ کو اس قابل نہ سمجھتے تھے تو یہ اعتراض تو انہیں حضرت ابوبکرؓ کے وقت کرنا چاہیئے تھا جس وقت ایسا اہم کام جمع کا انکے سپرد کیا گیا تھا مگر اسوقت انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ اعتراض جو ابن مسعودؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یہ روایت ہی غلط ہے۔ اور یا ابن مسعودؓ نے غلطی کی۔ زید بن ثابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اور تمام صحابہؓ کی نظر میں اس کام میں سب پر سبقت رکھتے تھے علاوہ ازیں حضرت عثمانؓ کے وقت میں اول تو کام ہی محض اسقدر تھا کہ ایک اصل نسخہ سے دوسرے نسخے نقل کیے جاویں اور دوم حضرت عثمانؓ نے اس کام کو بھی بلا مشورہ نہیں کیا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ من اکتب الناس

تو انہوں نے جواب دیا کہ زید بن ثابت کاتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور اسی روایت کے اخیر میں ترمذی نے اسی راوی ابن شہاب سے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں قال بلغنی انہ کرہ ذلك من مقالۃ عبد اللہ بن مسعود رجال من افاضل الصحابۃ۔ یعنی عبد اللہ بن مسعود کے ان الفاظ کو جو انہوں نے زید بن ثابت کے متعلق بولے اجلہ صحابہؓ نے ناپسند کیا اور برا منایا۔" علاوہ ازیں ان روایات کی رو سے اگر عبد اللہ بن مسعودؓ کو کوئی بات ناپسند تھی تو وہ صرف یہ تھی کہ زید بن ثابت کو اس کام پر کیوں مامور کیا گیا ہے اور مجھے مامور کیوں نہیں کیا گیا۔ حضرت عثمانؓ پر انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ البتہ بعض روایات جو بہت کمزور ہیں اس قسم کی بھی آئی ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود نے اپنا نسخہ قرآن حضرت عثمانؓ کے آدمیوں کو دینے سے انکار کیا اور کہ انہوں نے زبردستی ان سے چھین لیا۔ مگر ان روایات پر یقین کرنے کے کافی وجوہات موجود نہیں ہیں اور اگر بفرض محال ان روایات کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ان سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ حضرت عثمانؓ نے جو نسخے لکھوائے تھے۔ وہ ناقص تھے یا صحیح نہ تھے ان سے اگر کوئی نتیجہ نکل سکتا ہے تو صرف یہی کہ عبد اللہ بن مسعود جو بعض قرائتیں اپنے طور پر پڑھتے تھے ان سے روکا جانے پر انہوں نے اظہار ناراضگی کیا۔ اور اسی وجہ سے اپنے نسخہ قرآن کو دینے سے انکار کیا۔ مگر اب سوال یہ ہے کہ اس معاملہ میں باقی صحابہؓ نے کس کی تائید کی؟ کیا ایک آدمی کا نام بھی لیا جا سکتا ہے جس نے ابن مسعود کی رائے کی تائید کی ہو۔ جس طرح ابن مسعود کھلے طور سے اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ اور اس اظہار کی وجہ سے کسی نے انکو مار نہ ڈالا تھا اسی طرح دوسرے صحابہؓ بھی اپنی رائے کا آزادانہ اظہار کر سکتے تھے۔ اور کوئی انکو روکنے والا نہ تھا۔ مگر سب صحابہؓ نے بالاتفاق حضرت عثمانؓ کی کارروائی کو صحیح سمجھا اور ابن مسعود کی تائید نہیں کی۔

ان تمام واقعات سے جو اوپر بیان ہوئے یہ امر نہایت صفائی کے ساتھ پایہ ثبوت کو...... پہنچتا ہے کہ جو مصاحف حضرت عثمانؓ نے شایع کرائے وہ لفظ بلفظ اور حرف بحرف اس قرآن کریم کی نقل تھے جو حضرت ابو بکرؓ نے جمع کرایا تھا جسکی متعلق ہم پہلے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ وہ بلا تفاوت ایک حرف کے وہی قرآن شریف تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو سکھایا تھا جب حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کرا کر بھیجے تو اسوقت ہزارہا صحابہؓ ابھی زندہ موجود تھے اور بعض انہیں سے جیسے عبد اللہ بن عمر اور ابی بن کعب وغیرہما ایسے تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حین حیات اور آپ کے سامنے کل قرآن شریف حفظ کر لیا تھا اور ہزارہا آدمی ایسے تھے جنہوں نے آپ کے بعد قرآن شریف کو حفظ کر لیا تھا۔ اب حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف لکھوائے انکا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف ۱۳ سال بعد ہے۔ اور اگر ان مصاحف میں اصل نسخہ سے یا قرآن شریف سے جیسا کہ یہ حافظوں میں محفوظ تھا کچھ بھی اختلاف ہوتا ممکن نہ تھا کہ صحابہؓ خاموشی سے ان مصاحف کو قبول کر لیتے۔ قرآن کریم ان کا سب سے بڑا قیمتی خزانہ تھا جسے وہ جانوں سے بھی عزیز رکھتے تھے۔ اور اگر ضرورت ہوتی تو پہلے اپنی جانوں کو قربان کر دیتے مگر یہ کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے کہ قرآن شریف میں کوئی شخص کسی قسم کا تغیر تبدل کرے۔ ان میں صرف قرآن شریف کی اعلیٰ درجہ کی محبت اور اخلاص ہی موجود نہ تھا بلکہ انکے ہاتھ میں ایسے ذرایع موجود تھے

جنسے وہ مصاحف عثمانی کی صحت کو پرکھ سکتے تھے اگر کوئی فقرہ چھوڑ دیا جاتا یا کوئی حصّہ جو قرآن میں داخل نہ تھا داخل کر دیا جاتا تو سیکڑوں صحابی اس کا تذکرہ کرتے۔ مگر ابن مسعودؓ تک نے بھی کبھی حضرت عثمانؓ کے خلاف یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ نے کوئی حصّہ قرآن شریف کا چھوڑ دیا ہے یا کچھ بڑھا دیا ہے بلکہ اسکی شکایت صرف یہ تھی کہ اسکو بعض قرأتوں کے پڑھنے سے کیوں روکا گیا۔

اس تمام بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے قرآن شریف میں کوئی تغیر نہیں کیا بلکہ جیسا آپ کو جمع ابوبکرؓ سے ملا وہی انہوں نے سب مسلمانوں تک پہنچایا۔ انہوں نے جو کارروائی کی وہ تمام صحابہؓ کے مشورہ سے تھی اور پھر نقلیں کرنیکا اہتمام ان صحابہؓ کے سپرد کیا گیا جو اپنی قرآن دانی میں سب سے بڑھکر شہرت رکھتے تھے۔ پھر جو نسخے آپنے لکھوا کر شایع کیے انکو تمام اسلامی دنیا نے صحیح نسخے قرآن شریف کے تسلیم کیا۔ اور اگر بفرض محال کوئی اختلاف نسخوں میں ہوتا بھی تو اسکا اثر قرآن کریم پر جیسا کہ وہ حافظوں میں محفوظ تھا کچھ نہ پڑ سکتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے سخت ترین دشمن جنہوں نے نہایت بیرحمی سے آپ کو قتل کیا انہوں نے بھی یہ الزام آپ پر نہیں لگایا کہ آپنے قرآن شریف میں کوئی کمی بیشی کر دی ہے اگرچہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اعتراض انہوں نے بنایا تھا کہ حضرت عثمانؓ نے ان کاغذات کو کیوں جلوایا جنپر قرآن شریف لکھا ہوا تھا مگر اس اعتراض کی بنا صرف انکے اس خیال پر تھی کہ جس کاغذ پر خدا کا نام لکھا ہوا ہو اسے جلانا نہیں چاہیئے۔ اور پھر سب سے بڑھکر یہ کہ حضرت علیؓ کی خلافت میں بھی کسی شخص نے ایک لفظ ایسا بیان نہیں کیا جسکے متعلق یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ اس میں حضرت عثمانؓ نے کوئی تحریف کی تھی۔

اخیری حصّہ ہمارے دعوے کا کہ جو قرآن شریف آج ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ بعینہٖ صحف عثمانی کی نقل ہے یہ ایسا دعویٰ ہے جسکو سخت سے سخت دشمنان اسلام نے بھی تسلیم کیا ہے۔ پس قرآن کریم کا تمامتر حفاظت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچنا یقینی اور قطعی دلایل کے ساتھ ثابت ہے۔ صحف ابوبکرؓ میں وہ قرآن تمام وکمال محفوظ تھا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے اور حضرت عثمان کے مصاحف میں پوری احتیاط سے صحف ابی بکر سے نقلیں کرائی گئیں اور پھر انسے آجتک تمام اسلامی دنیا میں قرآن شریف شایع ہوتے رہے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر دو ایسے ملکوں سے جنمیں بعد المشرقین ہے دو نسخے قرآن شریف کے لے لو تو انمیں ایک زیر زبر یا ایک حرف یا لفظ کا فرق بھی نہ پاؤ گے۔ اگر حفاظت الٰہی شامل حال نہ ہوتی تو اسقدر حفاظت انسانی طاقت میں نہ تھی۔ آیندہ ہم ان چند اعتراضات کا جواب دیں گے جو بعض حدیثوں کی بنا پر حفاظت قرآنی پر کیے جاتے ہیں۔ اور اس مضمون سے اصل مضمون حفاظت قرآن کریم کا مکمل ہو جائے گا*

۲

عیسائی دین میں سلب امراض کے معجزات

عیسائی دین کے حامی اپنے مذہب کی سب سے بڑی خوبی اور بانی مذہب کی سب سے بڑھکر عظمت کے ثبوت میں یسوع کے لوگوں کو چنگا کرنے یعنی شفا بخشی کے معجزات ہمیشہ پیش کیا کرتے ہیں۔ اور جہاں اکثر اعلیٰ عیسائی طبقہ کے محققین اور منقدین نے یسوع مسیح کے باقی معجزات کو جیسا کہ وہ اناجیل میں مندرج ہیں محض قصہ اور کہانیاں تسلیم کیا ہے۔ سلب امراض کے معجزات کے متعلق ان میں سے بھی بعض کا یہ خیال ہے کہ انکی اصل بنا واقعات پر ہے۔ چنانچہ انسکلوپیڈیا ببلیکا جو اعلیٰ تحقیق اور تنقید کی بڑی بھاری کتاب ہے اس میں "یسوع" کے عنوان کے نیچے جو مضمون لکھا ہے۔ اس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ معجزات سلب امراض الیسی معتبر تاریخی بیانات پر مبنی ہیں جیسے کہ تعلیم کا معتبر سے معتبر حصہ۔ لیکن اس بات کو مانکر بھی کہ معجزات شفا بخشی جو کسی ایک انجیل نویس مثلاً متی نے یسوع مسیح کی طرف منسوب کیے ہیں صحیح ہیں حامیان عیسائی مذہب کو ایک اور مشکل کا سامنا ہے۔ بیماروں کو غیر معمولی طریق سے شفا دینا یا شفا دینے کا دعویٰ کرنا یہ یسوع مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نہ ہی بعض بیماریوں کا دور کر دینا فضیلت اخلاق اور حقیت مذہب کا کوئی ثبوت ہے۔ ان باتوں کو تعجب یا عظمت کی نگاہ سے دیکھنا محض ناواقفی کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ کائنات کے اوراق ہمارے سامنے کھلے ہوئے دکھلاتے ہیں کہ ہر قوم میں اس طرز کے سلب امراض کا اکثر رواج موجود ہے۔ اسی قسم کے شفا دینے والے لوگ یہودیوں ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ اور غیر معمولی طور پر اعمال اور کلام اور نقوش اور منتروں اور جنتروں بلکہ محض اپنے منہ کے حکمی الفاظ سے ہر قسم کے امراض کو شفا دینے کے مدعی ہوتے ہیں۔ اور جا بجا اپنے کرشمے دکھاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ زمانہ موجودہ میں بھی بیشمار لوگ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اسی قسم کے عامل وغیرہ اکثر مقامات پر موجود ہیں۔ جو بعض امراض کی صحت پر حکمی تسلط رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ تو اس حالت میں یہ چنگا کرنیکے عمل خدا رسی اور الہام الٰہی اور مذہبی تقدس و طہارت کے ساتھ کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ اگر یسوع مسیح نے فی الواقعہ لوگوں کو اسطرح شفا بخشی جسطرح عیسائی کتابوں میں لکھا ہوا ہے تو یہ افعال معجزات کی تعریف کے ذیل میں نہیں آسکتے۔ عیسائی لوگ انکو معجزات کہیں تو پڑے کہیں اپنے گھر میں انکا جو جی چاہے نام رکھیں۔ لیکن سچی بات یہی ہے کہ ایسے افعال کسی حال میں کسی کے منجانب اللہ ہونیکا ثبوت نہیں ہو سکتے۔

اناجیل کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں حضرت یسوع اکیلے ہی اس طریق سلب امراض کے عامل نہ تھے بلکہ اس طریق پر شفا بخشنے والے اور بھی بہت لوگ مشہور تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اناجیل کے بیان کے مطابق فریسی لوگ بھی یسوع کے بعض مریضوں کو چنگا کرنیکی طاقت سے منکر نہ تھے۔ مگر وہ یہ کہتے تھے کہ یہ ساری طاقت اسکو بعل زبول یعنی دیووں کے سردار کے ساتھ تعلق کی وجہ سے حاصل ہے۔ یہ امر ایسا متفقہ ہے کہ جس کو ہر ایک انجیل نویس نے لکھا ہے چنانچہ مرقس نے

۳/۲۲ میں اور متی نے ۹/۳۴ و ۱۲/۲۴ میں اور لوقا نے ۱۱/۱۵ میں اسی بات کو بیان کیا ہے اور یہی منشاء یوحنا ۹/۲۴ کا ہے جہاں یسوع کو گنہگار کہا گیا ہے۔ اس سے یہ بات کھلے طور پر روشن ہوتی ہے کہ اس بات کو فریسی بھی جانتے تھے کہ اس قسم کی سلب امراض کی معجزہ نمائی کی طاقت نیکوں اور بدوں دونوں میں موجود ہے۔ اور دونوں قسم کے لوگ اس طرح کے کرشمے بلاتمیز دکھا سکتے ہیں جس میں ان کے نیک و بد ہونیکو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ انجیل میں لکھا ہے کہ فریسیوں کے شاگرد بھی یسوع کے سے معجزے دکھانیکی قدرت رکھتے تھے۔ اور خود یسوع نے بھی یہ بات تسلیم کی ہے کہ یہودی جو اسکی مخالفت کرتے تھے وہ بھی اس قسم کے معجزے دکھا سکتے تھے چنانچہ متی ۱۲/۲۷ میں لکھا ہے کہ "اور اگر میں بعلزبول کی مدد سے دیووں کو نکالتا ہوں تو تمھارے بیٹے انہیں کس کی مدد سے نکالتے ہیں؟" ایسا ہی لوقا ۱۱/۱۹ میں یسوع سے منقول ہے "بھلا اگر میں دیوونکو بعلزبول کی مدد سے نکالتا ہوں تو تمھارے بیٹے کس کی مدد سے نکالتے ہیں؟" ایسا ہی ایک شخص کی نسبت شاگردوں نے یسوع سے شکایت کی کہ وہ مرید نہیں پر تمھارے نام سے دیو نکالتا ہے چنانچہ اس کا ذکر مرقس ۹/۳۸-۴۰ میں اس طرح ہے۔ "تب یوحنا نے اسے جواب دیکے کہا اے استاد ہم نے ایک کو تیرے نام سے دیووں کو نکالتے دیکھا اور وہ ہمارا پیرو نہیں اور ہم نے اسے منع کیا کیونکہ وہ ہماری پیروی نہیں کرتا۔ تب یسوع نے کہا کہ اسے منع نہ کرو کیونکہ ایسا کوئی نہیں جو میرا نام لیکے کوئی کرامات کرے اور مجھے فوراً بُرا کہہ سکے"۔ اس کی تائید میں لوقا ۹/۴۹ میں لکھا ہے "یوحنا نے جواب میں کہا ای صاحب ہمنے ایک شخص کو تیرے نام سے دیووں کو نکالتے دیکھا اور اسکو روک رکھا کیونکہ وہ ہمارے ساتھ پیروی نہیں کرتا۔ یسوع نے اسے کہا کہ روک نہ رکھو کیونکہ جو ہماری برخلاف نہیں .... ہماری طرف ہے"۔ اس بارے میں جناب یسوع مسیح صاحب اسی حد تک نہیں رہے بلکہ انہوں نے خود کہا ہے کہ بدکار لوگ بھی اس قسم کی معجزہ نمائی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ متی ۷/۲۲-۲۳ میں لکھا ہے۔ "اُس دن بہتیرے مجھے کہیں گے اے خداوند اے خداوند کیا ہمنے تیرے نام سے نبوت نہیں کی۔ اور تیرے نام سے دیووں کو نہیں نکالا۔ اور تیرے نام سے بہت سی کرامات ظاہر نہیں کیں۔ اور اسوقت میں انسے صاف کہونگا کہ میں کبھی تم سے واقف نہ تھا۔ اے بدکارو میرے پاس سے دُور ہو"۔ غرض اسی زمانہ میں مختلف طبقات کے لوگ دائرہ عیسائیت کے باہر ایسے موجود تھے کہ جن کو یسوع اور انکے شاگرد انہیں اوصاف معجزہ نمائی سے متصف مانتے ہیں جن پر عیسائی لوگ یسوع کی عظمت کا مدار رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ اندرونی طور پر بھی یسوع کے شاگردوں میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو اسی قسم کے معجزے دکھانے کی قدرت رکھتے تھے۔ لیکن جس بات نے یسوع کی اس ساری معجزہ نمائی کی حقیقت پر پانی پھیر دیا ہے وہ سلوآم کے تالاب کا قصہ ہے۔ جسکی نسبت لکھا ہوا ہے کہ اس میں ایک غوطہ لگا نیسے ہی کئی امراض سے شفا ہو جاتی تھی چنانچہ اسی کی طرف اشارہ کر کے یوحنا ۹/۷ میں لکھا ہے۔ "اور اس سے کہا جا اور سلوآم کے حوض میں (جس کا ترجمہ بھیجا ہوا ہے) نہا تب وہ جا کے نہایا اور بینا ہو کے آیا"۔ اس تالاب کے پانی کی خاصیت کو دیکھکر ایک لمحہ کے لیے بھی سلب امراض کے فعل کو وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ایک اور عجیب راز

ان معجزات کے متعلق یہ ہے کہ سلب امراض کی طاقت کے ظہور کے لیے اس بات کو بھی ضروری سمجھا جاتا تھا کہ معمول عامل کی ایسی طاقت پر پورا پورا ایمان رکھتا ہو یعنی اپنے خیالات کو عامل کے خیالات کے ہر طرح تابع کر دے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح کی نسبت اناجیل میں بعض ایسی روایات موجود ہیں کہ جہاں معمول کو ایسا ایمان نہ تھا وہاں آپکی قوت سلب امراض بھی کچھ کام نہ کر سکتی تھی۔ کیا ممکن نہیں کہ جہاں سلب امراض میں آپ کو ناکامی ہوئی ہو وہاں راویوں نے پیچھے سے یہ ایک وجہ بنالی ہو کہ مریض پر اس لیے اثر نہیں ہوا کہ اس میں ایمان نہ تھا۔ آپکے حواریوں کے متعلق بعض روایتوں سے جو اناجیل میں مندرج ہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ باوجودیکہ حضرت مسیح کی طرف سے انکو بھی سلب امراض کی طاقت دیگئی تھی مگر وہ بھی بہت موقعوں پر مریضوں کو چنگا کرنے میں ناکام ہوتے تھے اور جب حضرت مسیح سے اسکی وجہ انہوں نے پوچھی تو آپنے یہ جواب دیا کہ یہ تمھاری بے ایمانی کی وجہ سے ہے۔ ہم ان واقعات کے سچ جھوٹ ہونے پر بحث نہیں کرتے بلکہ اناجیل کی بنا پر ان معجزات کی حقیقت کو دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آیا ان سے کوئی شہادت عیسائی دین کے خدا کی طرف سے ہونے پر یا یسوع مسیح کے خدا ہونے پر ملتی ہے۔ اس لیے ہمنے اناجیل کے بیان پر ہی حصر کیا ہے اور ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ ان تمام واقعات کے ہوتے ہوئے جن کی شہادت خود انجیلوں سے ملتی ہے۔ ہم سلب امراض کے معجزات کو کچھ بھی وقعت نہیں دے سکتے۔ بلکہ انکو معجزات کی ذیل میں لا ہی نہیں سکتے۔

ایسی ایسی مشکلات نے اعلیٰ طبقہ کے عیسائی منقدین کو مجبور کیا ہے کہ سلب امراض کی توجیہ کے لیے اعصابی مسئلہ کی پناہ ڈھونڈیں۔ چنانچہ اسی انسکلوپیڈیا ببلیکا میں جس کے ایک مضمون نویس کی رائے متعلق معجزات سلب امراض ہم نے اوپر نقل کی ہے ایک دوسرا مضمون نویس عنوان اناجیل کے نیچے لکھتا ہے۔ "ہمیں یہ ضرور تحقیق کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے کہ کس کس قسم کے اور کتنے موقعہ پر یسوع نے بیمار اچھے کیے۔ صرف اس قسم کے علاجوں کو تسلیم کر لینا جیسے آجکل بھی بعض طبیب روحانی طریقوں سے کر سکتے ہیں خصوصًا ان بیماریوں کی حالت میں جو اعصاب سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ ہمارے لیے جایز ہے۔ پطرس کی تقریر کا ایک فقرہ (دیکھو اعمال باب ۱۰ آیت ۳۸) اس معاملہ پر بہت روشنی ڈالنے والا اور نہایت معنی خیز ہے۔ اس میں پطرس نے یسوع کی تمام کارروائی کو یوں بیان کیا ہے کہ وہ نیک کام کرتا اور ان لوگونکو اچھا کرتا پھرتا تھا جو جنوں کے قابو میں تھے۔ اس فقرہ سے مراد یہ ہے کہ صرف ایسے بیماروں کو اچھا کرتے تھے جو بھوتوں کے تصرف میں تھے۔ مقابلہ کرو لوقا ۱۳ — یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ کسطرح یسوع کے معاصرین نے جب ایک یا چند عجیب کام سلب امراض کے اس سے ہوتے ہوئے دیکھے جنکو انہوں نے معجزے خیال کیا تو پھر یہ سمجھ لیا کہ اس میں ہر قسم کے معجزات کے دکھانیکی طاقت ہے اور باریک فرق جو ایک علمی دماغ آجکل ان امراض میں جو روحانی اثر سے اچھی ہو سکتی ہیں اور ان امراض میں جو روحانی اثر سے اچھی نہیں ہو سکتیں کر سکتا ہے نہ کیا۔ یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ علاج اکثر حالتوں میں محض عارضی ہوتا ہوگا۔ اگر بیماری پھر عود کر آئی تو اس سے معجزہ کا نقص نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ

یہ خیال کیا جاتا تھا کہ جو جن نکالا گیا تھا پھر اس آدمی میں داخل ہو گیا ہے۔ اس کے متعلق متی ۱۲/۴۳-۴۵ کی شہادت قابل غور ہے۔ لوقا ۸/۲ بھی پیش کیا جا سکتا ہے اور اس صورت میں جبکہ سات شیطان جو مریم مگدلینی کے اندر سے نکالے گئے وہ ایک مرتبہ نہیں بلکہ الگ الگ موقعوں پر نکالے گئے ہوں تو یہ شہادت بھی اس بات کی مؤید ہے"۔

ولایت کے مشہور رسالہ ہیبرٹ جرنل میں ایک مضمون نویس نے سلب امراض کے اعصابی مسئلہ پر بعض اعتراض کیے ہیں یہ مضمون نویس بیان کرتا ہے کہ سارے معجزات شفا بخشی جو مسیح سے ظاہر ہوئے ان تمام کی توجیہ اعصابی مسئلہ سے نہیں ہو سکتی یعنی وہ ساری امراض اعصابی نہ تھیں۔ لیکن اعلیٰ طبقہ کے منقدین اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ان معجزات کے بیان کرنے میں بہت مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ یہ محض قیاس ہی نہیں بلکہ اناجیل کے مطالعہ سے صاف پتہ لگتا ہے کہ ایک واقعہ کو ایک انجیل نویس صاف طور پر بیان کرتا ہے تو دوسرا اسی پر طرح طرح کی رنگ آمیزی کر کے بڑے مبالغہ کے ساتھ اس کو کچھ کا کچھ بنا کر بیان کرتا ہے۔ اور بعض مبالغے اناجیل کے تو ایسے حد سے گذرے ہوئے ہیں کہ پڑھنے والے کو بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ مثلاً یوحنا کی انجیل میں سب کچھ یسوع مسیح کے حالات کے متعلق بیان کر کے اخیر پر لکھا ہے "پر اور بھی بہتیرے کام ہیں جو یسوع نے کیے اور اگر وے جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ کتابیں جو لکھی جاتیں تو دنیا میں نہ سما سکتیں۔ آمین"۔ کیا کوئی سمجھدار آدمی ایک لمحہ کے لیے بھی اس بات کو مان سکتا ہے کہ جو کام تین سال کے عرصہ میں سما گئے وہ اگر لکھے جائیں تو کتابیں ساری دنیا میں نہ سما سکیں نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ اسی سے ناظرین قیاس کر سکتے ہیں کہ کس طرح پر معمولی واقعات کو رنگ آمیزی کے ساتھ اور طرح طرح کے مبالغوں سے معجزات بنا دیا گیا ہوگا کیونکہ جو شخص اس قدر مبالغہ سے کام لے سکتا ہے جس کو عقل بھی دھکے دیتی ہے اور یہ محض اس لیے کہ یسوع کی بڑائی ظاہر ہو ممکن نہیں کہ وہ واقعات کو بیان کرتے وقت سادگی پر کفایت کرے اس لیے جب اناجیل میں بڑے زور شور کے دعوے اور عجیب عجیب کاموں کا یسوع مسیح سے ظاہر ہونا بیان کیا جاوے تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اصل واقعہ کوئی معمولی سی بات ہے۔ اور یہ انجیل نویسوں کی مہربانی ہے کہ اسکو کچھ کا کچھ بنا کر بیان کیا ہے۔ کیونکہ انکی غرض یہ نہ تھی کہ تاریخی واقعات کو انکے اصلی رنگ میں سادگی کے ساتھ بیان کیا جاوے بلکہ ہر ایک واقعہ کو کوئی معجزہ بنا کر ظاہر کرنا انہوں نے اپنا فرض سمجھ رکھا ہے۔ پس جب اصل مقصد انجیل نویسوں کا یسوع کی عظمت ظاہر کرنا ہے نہ تاریخی صحت کے ساتھ واقعات کو بیان کرنا تو جو معجزات سلب امراض کے انہوں نے یسوع مسیح کی طرف منسوب کیے ہیں ہم کیونکر انکی نسبت یہ بات تسلیم کر سکتے ہیں کہ وہ سارے صحیح واقعات ہی ہیں۔ اسلیے جب تک اناجیل کے کسی بیان کے متعلق خصوصیت سے صحت کا اعلیٰ درجہ کا ثبوت نہ دیا جائے ایک محقق کو حق پہنچتا ہے کہ وہ ان بیانات کو مبالغہ سے خالی نہ سمجھے۔ اس لیے اگر اعلیٰ طبقہ کے عیسائی منقدین یہ پیش کریں کہ یسوع کی طاقت سلب امراض صرف انہی امراض تک محدود تھی جنکا تعلق اعصاب سے ہے اور اس طرح سے اعصابی مسئلہ سلب امراض سے ان معجزات کی توجیہ کریں تو یہ اعتراض ان پر وارد نہیں ہو سکتا کہ اناجیل میں بعض ایسے امراض میں

شفا بخشی کا ذکر موجود ہے جو اعصاب سے تعلق نہیں رکھتیں۔

ایک اور مشکل کہ کیوں ہم مسیح کے معجزات سلب امراض کو اسکی خدائی کی دلیل نہیں سمجھ سکتے یہ ہی کہ خود مسیح کے پیرو بھی ہر زمانہ میں سلب امراض کی اسی قسم کی طاقت رکھنے کا دعویٰ کرتے آئے ہیں۔ پس قرین قیاس یہی بات ہے کہ جس قسم کی طاقت کا پیرو دعویٰ کر رہے ہیں اسی قسم کی طاقت انکے مرشد میں بھی تھی۔ اس کا فیصلہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر ڈوئی جو چند ہی روز ہوئے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق مر گیا ہے وہ بھی سلب امراض کی طاقت رکھنے کا دعویٰ کرتا تھا بلکہ وہ تو اپنی طاقت سلب امراض کو مسیح سے ایسی مشابہ بتاتا تھا۔ کہ جب کبھی اسے علاج میں ناکامی ہوتی تھی تو مسیح کی ایسی ہی ناکامی پیش کر دیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ مسز ایڈی نام ایک عورت ہے جو ابتک موجود ہے وہ بھی سلب امراض کی طاقت کا دعویٰ کرتی ہے۔ یہ تو دو مشہور نام ہیں مگر انکے علاوہ آج امریکہ میں اس قسم کے سلب امراض کا دعویٰ کرنیوالے اس کثرت سے پائے جاتے ہیں کہ انکا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اب جب ان سب مدعیان سلب امراض کے دعاوی کو تحقیق کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہی اعصابی مسئلہ جس سے مسیح کے معجزات سلب امراض کی توجیہ اعلیٰ طبقہ کے منتقدین کرتے ہیں وہی یہاں بھی لگتا ہے اور بعض امراض کے غیر معمولی طریق سے یعنی بلا استعمال ادویہ اچھا کر دینے سے ایسے لوگوں کے منجانب اللہ ہونیکا کوئی ثبوت نہیں ملتا مگر عیسائیوں کو چونکہ مسیح کے معجزات سلب امراض کی وجہ سے دھوکہ لگا ہوا ہے اس لیے اس زمانہ میں بھی ہزارہا عیسائی ایسے مدعیوں کے پیچھے چلتے ہیں۔

ڈاکٹر ڈوئی کا حال تو ہمارے ناظرین کو بہت کچھ معلوم ہے۔ مَیں یہاں مسز ایڈی کا مختصر حال بیان کرتا ہوں اس عورت نے اپنا ایک فرقہ علیحدہ قایم کیا ہے اور وہ نہ صرف خود ہی سلب امراض کا دعویٰ کرتی ہے بلکہ اس کے پیرو بھی جو کرسچین سائینٹسٹ کہلاتے ہیں ایسا ہی دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ فرقہ امریکہ کی زمین میں جہاں ہر ایک نئی چیز کی طرف لوگ بڑے شوق سے مائل ہوتے ہیں حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے اور اسوقت تک چھ سَو گرجا اس کے متعلق ہو چکے ہیں اور بحساب اوسط یہ معلوم ہوا ہے کہ ہر چوتھے دن ایک نئی شاخ اسکی کھولی جاتی ہے۔ اس فرقہ کی بانی مسز ایڈی ایک بوڑھی عورت ہے جس میں اسکی ابتدائی زندگی سے جنون کی علامات پائی جاتی ہیں۔ ابھی وہ بہت چھوٹی تھی جب سے وہ ہسٹیریا یعنی مرض اختناق الرحم کے خطرناک حملوں کی تختہ مشق بنی رہی۔ یہ حملے اسپر بہت کثرت سے ہوتے تھے اور جب دَورہ ہوتا تھا تو اکثر اسکی حالت تشنج کی ہو جاتی تھی۔ وہ فرش پر لیٹتی اور ہاتھ پاؤں مارتی اور مروڑتی اور خطرناک چیخیں مارتی۔ بعض وقت وہ مردہ کی طرح بے حس و حرکت پڑی رہتی پھر بعض وقت اسکا سارا جسم اکڑ جاتا اور ظاہراً یہ معلوم ہوتا کہ اس میں جان باقی نہیں رہی۔ جوں جوں اسکی عمر بڑھتی گئی دَورے اور بھی بڑھتے گئے تعداد میں بھی اور تیزی میں بھی۔ اس نے دَو دفعہ شادی کی پہلی دفعہ خاوند کی موت کے بعد ایک لڑکا جنا جو اب اسپر جایداد کے متعلق

نالش کر رہی اور دوسری دفعہ اس نے اپنے خاوند سے طلاق حاصل کی۔ اس کی حالت نے ۱۸۶۲ء میں پلٹا کھایا۔ ڈاکٹر کوئمبے ایک شخص تھا جو بذریعہ توجہ سلب امراض کیا کرتا تھا۔ مسز ایڈی بھی اس کی شہرت سنکر اس کے پاس پہنچی۔ اور چند دنوں میں ہی اس کی مرض کو فایدہ ہو گیا۔ اس کے بعد وہ اس ڈاکٹر کی سرگرم مرید ہو گئی۔ تین سال بعد ڈاکٹر کوئمبے مر گیا۔ اور مسز ایڈی نے جو اس کے اصول سے خوب واقف ہو چکی تھی ۱۸۶۶ء میں یہ اعلان کیا کہ اس نے کرسچین سائنس (عیسائی علم) دریافت کر لیا ہے۔ یہی نام ڈاکٹر کوئمبے بھی اپنے علم کا رکھتا تھا۔ جسے وہ علم صحت کہتا تھا جو دراصل مسمریزم میں کچھ ترقی تھی۔ ۱۸۸۱ء میں مسز ایڈی نے ایک کالج کھولا جس کے متعلق اس نے یہ اعلان کیا کہ اس میں روحانی طاقتوں کا علم تشخیص الامراض سکھایا جاوے گا۔ اس کالج میں وہ ہر ایک طالب علم سے تین سو ۳۰۰ روپیہ ہفتہ وار یا بارہ سو ۱۲۰۰ روپیہ ماہوار فیس لیتی تھی۔ سات سال کے عرصہ میں چار ہزار طالب علم اس کالج میں سے ہو گذرا۔ یہ حالت ہے اس مہذب ملک کی توہم پرستی کی۔ اس طرح پر مسز ایڈی لاکھوں روپیوں کی مالک بن گئی اور اس کے پاس ایک فرقہ چلانیکے لیے کافی روپیہ ہو گیا۔ وہ دعویٰ کرتی ہے کہ وہ یسوع مسیح اور اسکی ماں سے بہت بڑھکر کامل ہے۔ وہ کہتی ہے کہ کمال کے لحاظ سے جسطرح یسوع مسیح مریم سے بڑھکر ہے اسی طرح مسز ایڈی مسیح سے بڑھکر ہے۔ یعنی ظہور خدا مریم میں ناقص تھا پھر اس سے کامل تر یسوع مسیح میں ہوا اور سب سے بڑھکر مسز ایڈی میں۔ اس کے چال چلن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اول درجہ کی بے اعتبار ہے۔ اور اسکے افعال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑی خود پسند اور لالچی ہے اور اس کی طاقت حاصل کرنیکی خواہش کبھی سیر ہونے میں نہیں آتی۔

مسز ایڈی کے پیرووں میں جو کرسچین سائنٹسٹ کہلاتے ہیں اور ان لوگوں میں جو بذریعہ توجہ سلب امراض کرتے ہیں دراصل کچھ فرق نہیں البتہ صرف دعوے میں اسقدر فرق ہے کہ کرسچین سائنٹسٹ کہتے ہیں کہ ہم روح کی طاقت سے سلب امراض کرتے ہیں اور دوسرے لوگ صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ سلب امراض بذریعہ توجہ یعنی ایک قلب انسانی کے دوسرے قلب انسانی پر اثر کرنے سے ہوتا ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ انہی کی نقل کر کے مسز ایڈی بذریعہ توجہ علاج کرنیوالوں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتی اور انہیں اپنے دشمن سمجھتی ہے شاید اسلیے کہ وہ اس کے اس پیشہ میں حریف ہیں۔

اب یہ مثالیں سلب امراض کی جو اوپر بیان کی گئی ہیں انسے ایک محقق کو یہ قیاس کرنا پڑتا ہے کہ اسی طرح پر حضرت مسیح بھی سلب امراض کرتے ہوں گے کیونکہ وہ کام جو وہ کرتے تھے وہی آجتک انکے پیرو کر رہے ہیں۔ اور اس قسم کی سلب امراض کے علاوہ اور کوئی مثال آج ہمیں عیسائیوں میں نہیں ملتی جس سے ہمیں یہ قیاس کرنیکا حق پہنچے کہ حضرت مسیح کا سلب امراض کرنا اپنے اندر واقعی کوئی معجزانہ رنگ رکھتا تھا۔ ہاں ہم مسلمان ہیں اور اس بات کو مانتے ہیں کہ حضرت مسیح خدا کے رسول تھے۔ اور انہوں نے معجزات بھی دکھائے مگر جس رنگ میں

سلب امراض کے معجزات اناجیل میں بیان کیے گئے ہیں وہ حضرت مسیح کو ایک ایسے آدمی کی حیثیت میں پیش کرتے ہیں کہ گویا انھوں نے یہ پیشہ اختیار کیا ہوا تھا جیسا آجکل انکے بعض پیرووں نے کیا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی محققین مجبور ہوئے ہیں کہ حضرت مسیح کے سلب امراض کے معجزات کی توجیہ اعصابی مسئلہ سے کریں۔ کیونکہ جو نظیر انکو ملی وہ اسی قسم کی ہے اور اور کوئی نظیر عیسائی صاحبان میں انکو نظر نہیں آتی۔ ہم حضرت مسیح کی عیسائیوں سے زیادہ عزت کرتے ہیں اور ہم انجیلوں کے مبالغہ آمیز بیانات کی بنا پر یہ کہنے کو کبھی تیار نہیں کہ حضرت مسیح نے یہ پیشہ اختیار کر رکھا تھا اور جدھر جاتے تھے بیماروں کے جھنڈ کے جھنڈ انکے پیچھے لگے چلے جاتے تھے اور سیکڑوں اندھوں کالوں کا ایک گروہ انکے پیچھے لگا رہتا تھا۔ انکا اصل کام روحانی امراض سے شفا دینا تھا۔ ہاں ایسا ہوا ہوگا کہ کبھی کسی بیمار کے لیے انہوں نے دعا کی اور خدا تعالیٰ نے انکی دعا کو قبول کر کے اسکی بیماری کو اچھا کر دیا۔ اور شاید ایسے ہی واقعات کو لیکر انجیل نویسوں نے انپر مبالغہ کا رنگ چڑھا کر کچھ کا کچھ بنا دیا ہے۔ اس امر کی نظیر کہ بذریعہ دعا اللہ تعالیٰ نے کسی بیمار کو جو خطرناک بیماری میں مبتلا تھا شفا دیدی ہم دیگر انبیاء کی تاریخ میں بھی پاتے ہیں بلکہ آج ہمارے سامنے اس کی زندہ مثال حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں موجود ہے جنکی دعا سے اللہ تعالیٰ نے بعض مریضوں کو ایسی ایسی خطرناک امراض سے شفا دی ہے جو احیائے موتی کا حکم رکھتی ہے۔ ان تمام واقعات کو ہم یہاں بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اگر ان سب کو لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب بنتی ہے۔ مگر بطور مثال میں یہاں ایک دو تازہ مثالیں بیان کرتا ہوں۔ تھوڑے عرصہ کا ذکر ہے کہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ایک طالب علم کو سگ دیوانہ نے کاٹا اور اسکو علاج کے لیے کسولی بھیجا گیا۔ یہ علاج بطور حفظ ماتقدم ہوتا ہے۔ اور زمانہ موجودہ کی تحقیقات میں دیوانہ کُتے کے کاٹے ہوئے کا بہتر سے بہتر یہی علاج ہے۔ یہ لڑکا وہاں علاج کراتا رہا اور جب ڈاکٹروں کا اطمینان ہوگیا تو اسے واپس کیا گیا کہ اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ اسجگہ واپس آنیکے چند روز بعد اس لڑکے میں ہائیڈروفوبیا کے آثار نمودار ہوئے اور وہ پانی سے خود بخود ڈرنے لگا۔ تھوڑے ہی وقت میں اسکی حالت میں ایک کامل تغیر پیدا ہوگیا اور دیوانہ کُتے کے کاٹے ہوئے مریض کی سب علامتیں پیدا ہوگئیں۔ اور آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ اسیوقت ہیڈ ماسٹر صاحب مدرسہ تعلیم الاسلام نے ایک تار کسولی کے ڈائرکٹر کے نام دی جس میں اس لڑکے کا حوالہ دیا گیا کہ وہ اسطرح سے کسولی سے علاج کرا کر آیا تھا اب اس میں علامات مرض پیدا ہوگئی ہیں بذریعہ تار اس کی کوئی تدبیر بتائی جاوے کہ اب اسکا کیا علاج کیا جاوے۔ اس کے جواب میں تار آئی کہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے اور نہ کوئی تدبیر ہو سکتی ہے۔ اس سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں اسکی بیماری کا حال عرض کیا گیا تھا۔ آپ کو اس کا حال سنکر بہت توجہ پیدا ہوئی اور آپنے اسکے لیے دعا شروع کی اور بار بار اسکی حالت دریافت فرماتے تھے عجب بات ہے کہ جب ڈاکٹر پوری مایوسی ظاہر کر چکے تو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے ایک برگزیدہ کی دعا کی

طفیل سے اسے بچالیا اور اسے کامل صحت دی۔ کپتان ہاروے ڈائرکٹر کسولی کی ایک چٹھی بھی دو دن بعد میرے نام آئی جس میں اس تار کا تذکرہ کرکے کپتان صاحب نے یہ فقرہ لکھا کہ "جب ایک دفعہ ہائیڈرو فوبیا کے علامات ظاہر ہوجاویں تو پھر کسی علاج کے کچھ فایدہ کرنیکا کوئی امکان نہیں"۔ چونکہ کپتان صاحب کا علم انسانی حد تک محدود تھا انکے نزدیک واقعی یہ ممکن نہ تھا کہ ایسی علامتیں ظاہر ہوکر پھر مریض بچ سکے اور یہ بات کہ کسی برگزیدہ کی دعا سے ایسی مایوسی کے بعد شفا ہوجائے انکے تجربہ سے باہر تھی مگر خدا کے راستبازوں کا ہر زمانہ میں یہی تجربہ رہا ہے۔ اور وہ خطرناک سے خطرناک حالت کو دیکھکر بھی مایوس نہیں ہوتے۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ تعلیم الاسلام سکول کے ایک اور لڑکے کا ہے۔ یہ لڑکا طاعون کے دنوں میں اپنے گاؤں میں گیا جہاں سخت طاعون پڑی ہوئی تھی وہاں سے آتے ہی اسے خطرناک بخار طاعون کا ہوا۔ مگر دعا سے وہ اچھا ہوگیا ان دنوں میں قادیان میں بھی کوئی کوئی واردات طاعون کی ہوجاتی تھی۔ چند روز بعد اسے پھر نمونیا طاعون ہوگیا یعنی بیہوشی کا بخار اور اسکے ساتھ خون بذریعہ قے بھی اور کھانسی کے ساتھ بھی آنے لگا۔ مغرب کا وقت تھا جب یہ خبر پہنچی اور اسی وقت حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں اس کا حال عرض کیا گیا۔ سب لوگ اس کی زندگی سے قطعاً مایوس ہوچکے تھے کیونکہ نمونیا پلیگ سے کوئی مریض بچتا نہیں سنا گیا۔ اور اسکو نمونیا پلیگ تھی بھی نہایت خطرناک قسم کی۔ مگر حضرت مسیح موعودؑ نے اس کا یہ حال سنکر بھی یہی فرمایا کہ میں اس کے لیے دعا کرونگا۔ اسکے بعد کئی دن تک اس لڑکے کو خون آتا رہا مگر آخر خدا نے اسے پوری شفا دی۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں جن میں مریض ایک موت کی حالت تک پہنچکر پھر حضرت مسیح موعودؑ کی دعا سے تندرست ہوگیا ہے۔ اس قسم کی شفا معجزہ قرار دینے کے لیے صرف یہی امر ہمارے ہاتھ میں نہیں کہ بیمار ایک خطرناک حالت سے جو موت کے برابر ہو بچایا جاتا ہے بلکہ بڑی بھاری دلیل اسکے معجزہ اور قبولیت دعا کا اثر ہونے پر یہ ہے کہ قبل از وقت یہ بتایا جاتا ہے کہ بیمار اچھا ہوجائیگا۔ حالانکہ ایسی پیشگوئی کے وقت اسکی حالت ایسی خطرناک ہوتی ہے کہ اگر قیاس سے کسی نے کچھ کہنا ہو تو اس کی موت پر ہی حکم لگائیگا۔

ایک اور نہایت ہی عجیب معجزہ نشان مثال شفائے امراض کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کی وہ پیشگوئی ہے جس میں کئی برس ہوئے آپنے صاف الفاظ میں دنیا کو یہ سنایا کہ جو شخص آپکے گھر کی چار دیواری کے اندر داخل ہوجائیگا وہ طاعون سے نہیں مریگا اس الہام کے لفظ یہ ہیں انی احافظ کل من فی الدار اس الہام الٰہی کی اشاعت کے بعد کئی دفعہ قادیان میں طاعون آئی مگر آپکے گھر کی چار دیواری کے اندر جو قریب سو آدمی کے رہتا ہے ان سب کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور آج یہ پیشگوئی روز روشن کی طرح چمک رہی ہے۔ کیا یہ انسان کی طاقت کے اندر ہے کہ ایک ایسے وقت میں جب طاعون گانوں کے گانوں تباہ کرتی چلی جاتی ہے ایک شخص یہ کہے کہ میرے گھر میں جو داخل ہوجائیگا وہ طاعون سے بچایا جائیگا ایسے وقت میں تو لوگ گھروں کو چھوڑ کر باہر جاتے ہیں

اور عجیب بات یہ ہے کہ یہاں گھر کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی خاص حفاظت سے محض اپنے مامور کی صداقت کو دنیا پر ظاہر کرنیکے لیے انکو بچا رہا ہے ورنہ یہ گھر بھی قانون قدرت کے ماتحت اسی طرح ہے جس طرح دوسرے لاکھوں گھر جن میں سے ہزارہا آج ایسے ہیں جن میں ایک متنفس بھی جیتا نہیں بچا۔ بلکہ اس گھر میں میں اپنے علم سے کہہ سکتا ہوں کہ بعض ایسی تاریک کوٹھریاں ہیں جہاں اصول علمی کے لحاظ سے سب سے پہلے طاعونی کیڑوں کو زور پکڑنا چاہیئے۔ مگر یہ حفاظت اصول علمی کے لحاظ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص نشان ہے جس سے دنیا کو فایدہ اُٹھانا چاہیئے جس کی آنکھیں ہوں دیکھے اور جسکے کان ہوں سنے۔ ایک واقعہ جو اسی کے متعلق ہے اور جو خود مجھ پر وارد ہوا ہے صرف اسکو بیان کر کے میں اس مضمون کو بالفعل ختم کرتا ہوں سنہ ۱۹۰۴ء میں قادیان میں طاعون ہوئی اور اس کا حملہ اس دفعہ سخت تھا۔ اتفاقاً انہی دنوں میں جب طاعون زور پر تھی۔ مجھے ایک دن صبح ہی سخت اعضا شکنی اور درد سر معلوم ہوئی اور تھوڑی ہی دیر بعد بخار ہو گیا جو دوپہر کے وقت تک نہایت تیز ہو گیا۔ اسکی تیزی کو دیکھ کر مینے یہی سمجھا کہ یہ طاعونی بخار ہی ہے۔ مگر چونکہ اسوقت تک میرے ہوش قایم تھے مینے مناسب سمجھا کہ بعض مالی کام جو میرے سپرد ہیں انکو اپنی ہوش میں کسی اور کے سپرد کردوں چنانچہ اسی غرض کے لیے مینے بعض احباب کو بلایا ان کو بھی میری حالت دیکھکر بہت تشویش ہوئی اتنے میں حضرت مسیح موعودؑ کو بھی اس بات کا پتہ لگا اور چونکہ میں آپ کے مکان کے ہی ایک حصہ میں رہتا ہوں آپ فی الفور اوپر چڑھ آئے اور آتے ہی نبض پر ہاتھ رکھکر فرمایا کہ کہاں ہے بخار؟ آپ کا ہاتھ رکھنا تھا کہ مینے دیکھا کہ میرا سارا جسم یا تو تپ سے مانند آگ کے ہو رہا تھا اور یا یکایک ہی بالکل ٹھنڈا ہو گیا اور میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور ہم سب حیران تھے۔ اس قسم کے سیکڑوں واقعات ہیں۔ مگر یہاں اس تفصیل کی گنجایش نہیں۔

شاندار مستقبل کی پیشگوئی

انجمن حمایت اسلام لاہور کے ماہواری رسالہ مئی سنہ ۱۹۰۷ء میں ایک مضمون بعنوان استقامت چھپا ہے جو قاضی محمد سلیمان صاحب کی طرف سے ایک "مذبذب مسلمان" کے خط کا جواب ہے جو عیسائیت کی طرف میلان رکھتا تھا۔ اس جواب میں اصولی طور پر اسلام کی صداقت کی صرف ایک ہی دلیل دی گئی ہے باقی معمولی اعتراضوں کے الزامی جواب ہیں یا توریت اور انجیل کی چند پیشگوئیاں ہیں۔ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دلیل جو اس مضمون میں دی گئی ہے اور جو دراصل ہر قسم کے اعتراضوں اور شبہات کا ازالہ کرنیوالی ہے اس کا عنوان ہے "شاندار

مستقبل کی پیشگوئی" اور اس کے الفاظ یہ ہیں: "اسوقت جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچ چھ آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ جن کو رہنے کا ٹھکانہ اور کھانے کو آب و دانہ نہ تھا۔ اسوقت خدا کا ازلی و ابدی کلام آنحضرت کو یوں تسلّی دیتا تھا خدا تیرے باایمان باعمل لوگوں کو ارض مقدس کا مالک بنائیگا اور تمہارے دین کو جو خدا کا پسندیدہ ہے دنیا میں استحکام بخشے گا۔ اور تمہارے خوف و ہراس کو بالکل امن و سلامتی سے بدل ڈالیگا۔ غور کرو کیا ایسی مصیبت کا مارا ایسی پیشگوئی کر سکتا ہے جبکہ اس کی تعلیم خدا کی طرف سے نہ ہو۔"

درحقیقت جو شخص قرآن کریم کے معانی میں تدبر کریگا اور غور سے اسے پڑھیگا وہ دیکھ لے گا کہ قرآن کریم نے اس بات پر کسقدر زور دیا ہے اور کس شدّ و مد کے ساتھ اس پیشگوئی کو بیان کیا ہے اور بار بار دُہرایا ہے۔ ایک طرف وہ ضعف اور بیکسی کی حالت کہ مکہ میں آپکے پیروؤں کو رہنا نہیں ملتا اور وہ دوسرے ملکوں میں جاکر پناہ تلاش کرتے ہیں۔ اور دشمن ہر وقت آپ کی جان لینے کے منصوبوں میں لگے ہوئے ہیں اور دوسری طرف وہ زبردست اور اقتداری پیشگوئیاں کہ عنقریب یہ سب مخالف ہلاک اور نیست و نابود ہوجائیں گے اور انکے سب منصوبے خاک میں مل جائیں گے اور مومن انپر غالب آئیں گے ایک سمجھدار انسان کو حیرت میں ڈالتے ہیں اس سے بڑھکر معجزہ کیا ہوسکتا ہے کہ جسطرح یہ باتیں سالہا سال پہلے بیان کی گئی تھیں جب انکو محال سمجھکر ہنسی کیجاتی تھی اسی طرح پوری ہوئیں۔ یہ بات بالکل سچ ہے کہ ایک مدعی رسالت کی صداقت کی اس سے بڑھکر زبردست شہادت اور کوئی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ وہ شہادت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے فعل سے دیتا ہے اور اسطرح پر اپنے قول کو فعل سے مؤید کرکے اپنی مقتدر ہستی کا کُھلا کُھلا ثبوت بھی ساتھ ہی دیتا ہے۔ معمولی معجزات کے گواہ چند آدمی ہوتے ہیں مگر یہ ایک ایسا معجزہ ہے جسکی گواہ ساری دنیا ہمیشہ کے لیے ہوجاتی ہے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ جن صاحبان نے یہ دلیل صداقت اسلام پر دی ہے اور جن صاحبوں نے اسے پسند فرمایا ہے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے آج دوبارہ اسی دلیل کا نقشہ پیش ہوتا ہوا دیکھکر گھبرا نہیں جائیں گے۔ بلکہ ایک صداقت کو جو انکی اپنی مسلمہ دلیل ہے جو درحقیقت ایک نہایت قوی اور زبردست دلیل ہے صداقت ثابت ہوتی ہے انشراح صدر سے قبول کرنیکے لیے تیار ہوں گے۔ جسطرح ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ نے آپکی تنہائی اور بیکسی میں بڑی بڑی نصرتوں کے وعدے دیئے۔ اور پھر آپ کی زندگی میں ہی ان کو پورا کرکے آپ کا منجانب اللہ ہونا کُھلے طور پر ثابت کردیا۔ بعینہٖ اسی طرح آج ایک شخص نے اس سے قریباً تیس۳۰ سال پیشتر خدا کی طرف سے ہونے اور خدا سے وحی پانے اور ہمکلام ہونیکا دعویٰ کیا۔ اور اس دعوے کی تائید میں یہی بات پیش کی کہ خدا مجھے اسطرح بیکس اور تنہا نہیں چھوڑیگا جیساکہ تم آج دیکھتے ہو بلکہ بڑی بڑی نصرتیں ظاہر کریگا۔ ایک عظیم الشان جماعت کو میری طرف کھینچ لائیگا اور ایک عالیشان سلسلہ قایم کریگا جسے میری زندگی میں اور میرے بعد

وہ ہر طرح کی نصرتوں سے مؤید اور منصور کریگا۔ یہ باتیں صرف چند سُننے والوں تک محدود نہ رہیں بلکہ کتابوں میں شایع ہو کر لاکھوں انسانوں کے کانوں تک قبل از وقت پہنچائی گئیں۔ یہ مدعی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ہیں جنکی کتاب براہین احمدیہ میں یہ تمام پیشگوئیاں بڑی وضاحت سے بیان ہو کر کھلے طور پر شایع ہو چکی ہیں۔ اور جنکے پورا ہونیسے آپکے منجانب اللہ ہونے پر آج ہمیں وہی دلیل دوبارہ ملتی ہے جو قرآنی پیشگوئیوں نے آج سے تیرہ سو سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر قایم کی تھی۔

مگر مخالفت انسان کو ایسا نابینا کر دیتی ہے کہ وہ دیکھتا ہوا نہیں دیکھتا۔ کچھ عرصہ ہوا یہی دلیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی بینے خواجہ غلام الثقلین ایڈیٹر رسالہ عصر جدید کے ایک اعتراض کے جواب میں پیش کی تھی جسپر گھبرا کر پہلے تو خواجہ صاحب نے یہ لکھدیا کہ یہ کوئی دلیل صداقت ہی نہیں اور اسطرح پر مسلمان کہلا کر اسلام ہی حملہ کیا۔ پھر دوبارہ جب اسی بات کو پیش کیا گیا تو اخبار وکیل میں ایک مضمون لکھا۔ اور عصر جدید میں اس کا سلسلہ بند کر دیا شاید اس لیے کہ اپنے دلایل کے کچاپن سے شرم آگئی۔ اس نئے مضمون میں یہ لکھا کہ "ان الہاموں میں کوئی عجیب بات نہیں ایک شخص نے ایک نیا گروہ بنانیکا ارادہ کیا اور آہستہ آہستہ اسکو پورا کیا اپنی کتاب میں بیشمار مجمل اور مہمل جملے جو بیسیوں طرح منطبق ہو سکتے ہیں حاشیوں میں اِدھر اُدھر لکھدیے" اور پھر ایسے اصول کو خوارج کے اصول قرار دیا ہے .... خیر وہ بیچارے معذور بھی ہیں کیونکہ وہ شیعہ ہیں کسیقدر تہذیب کے دعوے کی وجہ سے کُھلی کُھلی گالیاں صحابہ کرامؓ کو نہ نکالیں تو نہ نکالیں مگر انکا دل اس گند سے خالی نہیں جو دوسرے شیعوں میں پایا جاتا ہے اس لیے وہ ایسے اصول کو قبول نہیں کر سکتے جن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بلافصل ہونا ثابت ہو خواہ ایسے اصول قرآن شریف نے ہی قایم کیے ہوں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ جو شخص خوف خدا کو دل میں لیکر قرآن کریم کو پڑھتا ہے وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اقتداری پیشگوئیاں سب سے روشن تر ثبوت ایک مدعی نبوت کی صداقت کا ہیں یعنی ایسی پیشگوئیاں جن میں خدائے تعالیٰ کا طاقتور ہاتھ ایک شخص کی تائید میں کُھلا کُھلا کام کرتا ہوا دکھائی دے۔

اب ہیں یہ دکھاؤنگا کہ خواجہ غلام الثقلین نے اس فقرہ کے لکھنے میں کہ "اپنی کتاب میں بیشمار مجمل اور مہمل جملے جو بیسیوں طرح منطبق ہو سکتے ہیں اِدھر اُدھر لکھدیے" کسقدر ظلم صریح اور اخفائے حق سے کام لیا ہے اور محض تعصب اور حق کی مخالفت کی وجہ سے یا حماقت اور نادانی کی وجہ سے اصل حقیقت پر پردہ ڈالنا چاہا ہے۔ جن الہامات میں آیندہ کی کامیابیوں اور مخالفین کی ناکامی اور نامرادی کا ذکر ہے وہ نہ صرف خود کُھلے کُھلے الفاظ میں ہیں بلکہ انکے اول اور آخر اسی وقت ساتھ یہ بھی لکھا گیا تھا کہ یہ اس ملہم کے لیے صداقت کے نشان ہونگے چنانچہ براہین احمدیہ کی تیسری جلد کے صفحہ ۲۳۶ پر (جو ۱۸۸۲ء میں یعنی آج سے پچیس سال پیشتر

شایع ہو چکی ہے) پہلے الہام الٰہی کی حقیقت کا بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کامل الہام وہ ہوتا ہے جس میں امور غیبی پر بطور پیشگوئی انسان خدا کی طرف سے مطلع کیا جاتا ہے۔ اور صفحہ ۲۳۸ پر لکھا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس قسم کے الہامات سے مجھے شرف بخشا ہے۔ چنانچہ انکے اپنے الفاظ یہ ہیں۔ "اس الہام کی مثالیں ہمارے پاس بہت ہیں۔ لیکن وہ جو ابھی اس حاشیہ کی تحریر کے وقت یعنی مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا ہے۔ جس میں یہ امر غیبی بطور پیشگوئی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس اشتہاری کتاب کے ذریعہ سے اور اس کے مضامین پر مطلع ہونے سے انجام کار مخالفین کو شکست فاش آئے گی۔ اور حق کے طالبوں کو ہدایت ملیگی۔ اور بد عقیدگی دُور ہو گی اور لوگ خدا تعالیٰ کے القا اور رجوع دلانے سے مدد کریں گے۔ اور متوجہ ہوں گے اور آئینگے وغیرہا من الامور۔ اور اُن الہامی کلمات میں سے بعض اسجگہ لکھے جاتے ہیں۔ الرحمٰن علم القرآن لتنذر قوما ما انذر اٰباءھم ولتستبین سبیل المجرمین قل انی امرت و انا اول المؤمنین ..... ھو الذی ارسل رسوله بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کله ..... یریدون ان یطفؤا نور الله بافواھھم والله متم نورہ ولو کرہ الکفرون۔ سنلقی فی قلوبھم الرعب۔ اذا جاء نصر الله والفتح وانتھیٰ امر الزمان الینا۔ الیس ھٰذا بالحق..... ویمکرون ویمکر الله والله خیر الماکرین ..... الا ان روح الله قریب۔ الا ان نصر الله قریب۔ یأتیک من کل فج عمیق۔ یأتون من کل فج عمیق۔ ینصرک الله من عندہ ینصرک رجال نوحی الیھم من السمآء ..... لا اله الا الله فاکتب ولیطبع ولیرسل فی الارض ..... واتل علیھم ما اوحی الیک من ربک۔ ولا تصعر لخلق الله ولا تسئم من الناس۔ اصحاب الصفة وما ادرٰک ما اصحاب الصفة ترٰی اعینھم تفیض من الدمع۔ یصلون علیک۔ ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان و داعیا الی الله و سراجا منیرا۔ املوا۔" ترجمہ۔ رحمٰن خدا نے خود تجھے قرآن اس لیے سکھایا ہے کہ تو ان لوگوں کو ڈر سنائے جن کے باپ دادوں کو ڈر نہیں سنایا گیا۔ اور کہ تو مجرموں کی راہ کھولکر بیان کردے۔ کہہ دے مجھے خدا نے اس منصب پر مامور فرمایا ہے۔ اور میں خدا کے حکم کو ماننے میں سب سے اول ہوں..... خدا ہی وہ پاک ذات ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دیکر مبعوث کیا۔ کہ تا اسکا دوسرے تمام دینوں پر حجج قاطعہ اور براہین ساطعہ سے غلبہ قایم کرے..... منکر لوگ آرزو کریں گے کہ اس نور کو جو خدا نے روشن کیا ہے اپنے مُنہ سے بجھا دیں۔ لیکن خدا ضرور ضرور اپنے نور کو کامل کریگا۔ ہم انکے دلوں میں بہت جلد رعب القا کریں گے۔ جب خدا کی نصرت اور فتح آئیگی اور تمام معاملہ ہماری طرف پُہنچیگا تو پھر کہا جائیگا کہ کیا یہ سچ نہیں ؟..... تیری مخالفت کے لیے وہ باریک تدبیریں کریں گے اور خدا انکی ہلاکت کے لیے حکمت اور تدبیر کو کام فرمائیگا اور یہ یقینی بات ہے کہ ہر مدبر سے خدا بڑھکر تدبیر کرنیوالا ہے۔ دیکھو! خدا کی رحمت

یقیناً قریب ہے۔ دیکھو! خدا کی نصرت یقیناً بہت جلد پہنچنے والی ہے۔ ہر ایک دُور دراز راہ سے تیری طرف نصرت آئیگی ہر ایک دُور دراز راہ سے لوگ تیری طرف امڈے چلے آئیں گے۔ خدا اپنے پاس سے تیری نصرت کریگا وہ لوگ جنہیں آسمان سے خدا وحی کریگا تیری مدد کیلیے آئیں گے … خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس لیے ان باتوں کو لکھ لو اور چھپوا کر تمام ملکوں میں شایع کر دو … اور جو کچھ تیرے خدا نے تجھ پر وحی کی ہے وہ لوگوں کو سنا دو۔ اور خلق اللہ سے چین بجبیں نہ ہونا نہ ہی انسے جب وہ جوق جوق تیرے پاس آویں تھکنا۔ تجھے اصحاب صُفہ بھی دیئے جائیں گے اور تجھ کیا ادراک ہے کہ اصحاب صُفہ کیا ہونگے۔ وہ ایسے لوگ ہونگے کہ جنکی آنکھوں سے تُو آنسو بہتے دیکھیگا۔ اور وہ تیرے پر درود بھیجیں گے اور کہیں گے کہ لے ہمارے خدا ہم نے ایک بلانیوالے کی آواز سُن لی ہے جو ہمیں ایمان کی طرف دعوت کرتا ہے۔ اور ایک داعی الی اللہ کی دعوت سُن لی ہے جو چمکتا ہوا آفتاب ہے۔ یہ سب باتیں لکھ لو۔

اب کوئی شخص ایمانداری اور خدا ترسی سے ہمیں بتا دے کہ کیا یہ مہمل یا مجمل فقرے ہیں جو اِدھر اُدھر لکھدیئے گئے ہیں یا کُھلی کُھلی آیندہ کی پیشگوئیاں ہیں جو ایک بیکسی اور تنہائی کیحالت میں کی گئی ہیں اور بعینہٖ اسی طرح ہیں جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کی آیندہ فتوحات اور کامیابیوں کی پیشگوئیاں ہیں۔ یہ الہامات ہم نے صرف بطور نمونہ لکھے ہیں اسی قسم کے کُھلے کُھلے الہامات بہت سے مقامات پر موجود ہیں چنانچہ ایک مقام براہین احمدیہ جلد چہارم سے ہم پیش کرتے ہیں جو سنہ ۱۸۸۴ء میں شایع ہوئی۔ اس کتاب کے صفحہ ۴۸۵ پر ذیل کی عبارت لکھی ہوئی موجود ہے۔ "چنانچہ کسیقدر عربی الہامات جو بعض عظیم الشان پیشگوئیوں اور احسانات الٰہیہ پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں مع ترجمہ لکھے جاتے ہیں۔ تا کہ اگر خدا چاہے۔ تو طالبِ صادق کو انسے فایدہ ہو اور تا مخالفوں کو بھی معلوم ہو کہ جس قوم پر خداوند کریم کی نظرِ عنایت ہوتی ہے اور جو لوگ راہِ راست پر ہوتے ہیں۔ انسے کیونکر خداوند کریم اپنے مکالمات اور مخاطبات میں بمہربانی پیش آتا ہے۔ اور کیونکر ان تفصیلات سے پیش از وقوع اطلاع دیتا ہے جن کو اُس نے لطیف راہ سے اپنے وقت پر تیار کر رکھا ہے۔" اس تمہیدی عبارت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مصنف کتاب کو کامل یقین ہے۔ کہ جو وعدے اُسکے ساتھ خدائے تعالیٰ نے کیے ہوئے ہیں۔ وہ سب ضرور پورے ہو کر رہیں گے۔ پھر اس کے بعد کتاب مذکور میں الہامات شروع ہوتے ہیں اور یہ حاشیہ نمبر ۳ میں مندرج ہیں۔ جو صفحہ ۵۶۲ تک جاتا ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے تھوڑے سے الہام مع اصل ترجمہ درج کرتے ہیں۔ صفحہ ۴۸۹ پر ہے۔ "انت منی بمنزلۃ توحیدی و تفریدی فحان ان تعان و تعرف بین الناس۔ ترجمہ تُو مجھ سے ایسا ہے جیسا کہ میری توحید اور تفرید سو وہ وقت آگیا جو تیری مدد کیجائے اور تجھ کو لوگوں میں مشہور و معروف کیا جائے۔ ھل اتٰی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئاً مذکوراً۔ کیا انسان پر یعنی تجھ پر وہ وقت نہیں گذرا کہ تیرا دنیا میں کچھ بھی ذکر و تذکرہ نہ تھا۔ یعنی تجھ کو کوئی نہیں جانتا تھا کہ تُو کون ہے۔ اور کیا چیز ہے اور کسی شمار

وحساب میں نہ تھا یعنی کچھ نہ تھا۔ یہ گذشتہ تلطفات و احسانات کا اشارہ ہے۔ "تا محسن حقیقی کے آیندہ فضلوں کیلیے ایک نمونہ ٹھہرے" اور یہ بات ثابت کرے کہ ملہم جو اسوقت بالکل گمنام اور کس مپرسی کیحالت میں پڑا ہوا تھا اور اُسکو اپنے گاؤں سے باہر کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اُسپر ایک ایسا وقت آنیوالا ہے۔ کہ اُسکی شہرت اور عزت اور اسکی تعلیمات کا غلبہ تمام دنیا پر پھیل جائیگا۔ پھر صفحہ ۴۹۰ پر ہے۔ "نصرت بالرعب واحییت بالصدق ایھا الصدیق۔ نصرت وقالوا لات حین مناص۔ یعنی تو رعب کے ساتھ مدد کیا گیا اور صدق کے ساتھ زندہ کیا گیا اے صدیق! تو مدد کیا گیا۔ اور مخالفوں نے کہا کہ اب گریز کی جگہ نہیں یعنی امداد الٰہی اس حدتک پہنچ جائیگی کہ مخالفوں کے دل ٹوٹ جائیں گے اور انکے دلوںپر یاس مستولی ہو جائیگی اور حق آشکارا ہو جائیگا" پھر صفحہ ۴۹۱ تا ۴۹۳ پر یہ الہام مع اس تشریح کے درج ہے "اردت ان استخلف فخلقت اٰدم انی جاعل فی الارض۔ ترجمہ۔ میںنے اپنی طرف سے خلیفہ کرنیکا ارادہ کیا سو میںنے آدم کو پیدا کیا میں زمین پر کرنیوالا ہوں۔ یہ اختصاری کلمہ ہے۔ یعنی اُسکو قایم کرنیوالا ہوں۔ اسجگہ خلیفہ کے لفظ سے ایسا شخص مراد ہے کہ جو ارشاد اور ہدایت کیلیے بین اللہ و بین الخلق واسطہ ہو۔ خلافت ظاہری کہ جو سلطنت اور حکمرانی پر اطلاق پاتی ہے۔ مراد نہیں ہے۔ اور نہ وہ بجز قریش کے کسی دوسرے کیلیے خدا کی طرف سے شریعت اسلام میں مسلم ہو سکتی ہے۔ بلکہ یہ محض روحانی مراتب اور روحانی نیابت کا ذکر ہے۔ اور آدم کے لفظ سے بھی وہ آدم جو ابوالبشر ہے مراد نہیں۔ بلکہ ایسا شخص مراد ہے جس سے سلسلہ ارشاد اور ہدایت کا قایم ہو اور روحانی پیدایش کی بنیاد ڈالی جائے گویا وہ روحانی زندگی کی رو سے حق کے طالبوں کا باپ ہے۔ اور یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے جس میں روحانی سلسلہ کے قایم ہونیکی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایسے وقت میں جبکہ اُس سلسلہ کا نام و نشان نہیں" پھر اسکے بعد روحانی آدم کا روحانی مرتبہ بیان فرمایا۔ جو شخص تقوی اللہ سے کام لیکر ان پیشگوئیوں پر غور کریگا۔ وہ خواجہ غلام الثقلین کے اس دھوکہ دینے والے بیان کو کہ چند مہمل یا مجمل جملے ادھر اُدھر لکھدیے ہیں ایک سیاہ جھوٹ سے بڑھکر کچھ وقعت نہ دیگا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر کہ دعوی کرتے ہیں تحقیق کا اور ایسے نازک مسئلوں پر قلم اُٹھاتے ہیں اور بغیر اسکے کہ کبھی براہین احمدیہ کو کھولکر ان اصل مقامات کو دیکھا ہو یونہی کسی اندھے مخالف کی سنی سنائی بات لکھدی کہ چند مجمل یا مہمل جملے ہیں جن سے آج کھینچ تان کر یہ معنے نکالے جاتے ہیں کہ یہ آیندہ کی عظیم الشان پیشگوئی تھی۔ ناظرین دیکھ سکتے ہیں کہ کسقدر کُھلے الفاظ میں نہ صرف عربی الہامات میں بلکہ انکا ترجمہ کرتے وقت اس بات کا دعوی کیا گیا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایک عظیم الشان سلسلہ قایم کریگا جسکا لکھنے کیوقت نام و نشان بھی نہیں ہے اور لوگ سخت مخالفت کریں گے پر خدا کا بھیجا ہوا سب مخالفوں پر غالب آئیگا۔ اور نصرت اور تائید کے نشانات کُھلے کُھلے ظاہر ہوں گے اور فوج در فوج لوگ آئیں گے۔ بیشک مستقبل کی یہ شاندار پیشگوئی اپنے اندر وہی رنگ اور وہی ثبوت لیے ہوئے ہے جو قرآنی پیشگوئی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔ اور اسطرح پر آج ہمارے ہاتھ میں یہ ایک زندہ دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منجانب اللہ ہونے پر موجود ہے۔

میری غرض ان پیشگوئیوں کی طرف توجہ دلانیسے یہ ہے کہ مسلمانوں کا یہ سب سے پہلا فرض تھا کہ وہ انپر غور کرتے انکے

ہاتھ میں پہلی نظیریں موجود ہیں کہ کسطرح جن قوموں نے نکتہ چینی اور عیب گیری کو اپنا شیوہ بنایا وہ ہلاک ہوگئیں حالانکہ روشن ثبوت صداقت کے انکو دیئے گئے تھے۔ مگر انہوں نے ان روشن نشانوں پر غور نہ کیا اور مخالفت میں پڑ کر اعتراض جمع کرنیکو اپنا پیشہ بنا لیا۔ آج مسلمان ایک شخص کے خلاف جس نے خدا سے الہام پاکر خدا کی طرف سے ہونیکا دعویٰ کیا یہی انہی پہلی ہلاک شدہ قوموں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں کاش وہ سمجھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کی صداقت کو پرکھنے کے لیے منہاج نبوت پر اگر کوئی شخص چلے تو ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے دل میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ گذشتہ مذہبی تاریخ پر نظر ڈالکر غور کرو کہ جن لوگوں نے کسی مدعی نبوت کو قبول کیا انہوں نے کس وجہ اور کن دلایل پر قبول کیا۔ اور جنہوں نے انکار کیا انکا انکار کس بنا پر تھا۔ طالب حق کو جو طریق اختیار کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ آیا کھُلا کھُلا ثبوت مدعی کی صداقت کا ملتا ہے یا نہیں۔ پس جب ایسا ثبوت موجود ہو تو اعتراضوں سے جو ایک شخص کی ذات پر کیے جاویں کوئی فایدہ متصور نہیں۔ پس اصل حقیقت پر پہنچنے کے لیے ضرورت اس امر کے دیکھنے کی ہے کہ جو ثبوت پیش کیا جاتا ہے وہ کیسا ہے۔ اور کیا منہاج نبوت پر وہ ثبوت اطمینان بخش ہے یا نہیں؟ میں نے اس مختصر مضمون میں ایک ثبوت بعینہٖ اسی کا ہمرنگ جسکو ہمارے مخالف مسلمان بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل سمجھتے ہیں پیش کیا ہے۔ کسی شخص کو اور خصوصاً اس شخص کو جو مذہب اسلام پر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس روشن ثبوت سے آنکھیں بند کرکے گذر جائے اور نکتہ چینی اور عیب گیری کو اپنا پیشہ بنالے۔ مگر افسوس ہے کہ آجکل اکثر لوگ اور کثیر حصہ مسلمانوں کا خصوصاً وہ لوگ جو مولوی اور علماء کہلاتے ہیں وہ اسی غلطی میں پڑے ہوئے ہیں جس میں پڑ کر پہلی قومیں ہلاک ہوگئیں۔

عصر جدید جہاد اور صاحب العصر

جون سنہ ۱۹۰۷ء کے عصر جدید میں خواجہ غلام الثقلین نے حسب عادت سلسلہ احمدیہ پر حملہ کیا ہے۔ عصر جدید کے مضامین میں ایک بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ اسکے ایڈیٹر صاحب ججی کی کرسی پر بیٹھنے کے بڑے خواہشمند ہیں۔ آپ کی نکتہ چینی میں تعلی ضرور ہوتی ہے اور آپ خود بخود جج بنکر کسی پر یہ اور کسی پر وہ الزام قایم کرنیکے عادی ہیں لیکن جو مشکل امر ہے یعنی اپنے نفس کا جج ہونا اس کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے دوسروں کی آنکھوں کے تنکے تو آپ کو خوب نظر آجاتے ہیں مگر اپنی آنکھ کا شہتیر دکھائی نہیں دیتا۔ جو مصرعہ انہوں نے اپنے ایک ہمعصر کے متعلق لکھا ہے

کہ ؏ بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم - وہ خود انپر خوب صادق آتا ہے - بہتر ہو کہ خواجہ صاحب اپنے اس رویہ کو بدلکر کسی قدر انکساری بھی سیکھیں - یہ بات مینے صرف نصیحتاً لکھی ہے انکا اختیار ہے مانیں یا نہ مانیں - اس سے میرا یہ مقصد نہیں کہ وہ کسی پر اعتراض نہ کریں لیکن جس تہذیب کا انکو دعویٰ ہے اسکی کوئی جھلک انکے مضامین میں بھی ہونی چاہیئے - اسجگہ میں انکے اس نوٹ کے متعلق چند باتیں لکھنی چاہتا ہوں جو بعنوان "صبح کا بھولا شام کو واپس آیا" انہوں نے حضرت مرزا صاحب کے متعلق لکھا ہے - یہ فقرہ حضرت مسیح موعودؑ کے اس اشتہار کے متعلق لکھا ہے جسکا ترجمہ حال میں ہی بعض انگریزی اخبارات میں بھی شایع ہو چکا ہے - اس اشتہار میں آپنے یہ تحریر فرمایا تھا کہ "ہم اس بات سے منکر ہیں کہ اب بھی کسی جہاد کی ضرورت ہے اور یا کسی ایسے مہدی اور مسیح کی ضرورت ہے کہ کسی وقت خونریزی کرکے اسلام کو پھیلائیگا - اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ ایسے اعتقاد جاہلوں کیلیے خطرناک ہیں انہی اعتقادوں نے سرحدی وحشیوں کا ستیاناس کیا ہے جس نے مہدی ہونیکا دعویٰ کیا اور تلوار اُٹھائی ایسے اعتقاد جو پہلے سے جاہل لوگوں کے دلوں میں ہوتے ہیں خواہ نخواہ وحشی لوگوں کو ایسے مہدی کی طرف کھینچتے ہیں اسلام کی پاک تعلیم اور اسکے روشن نشان کسی جہاد کے محتاج نہیں یہ محض غلطیاں ہیں میں جانتا ہوں کہ عقلمند لوگ ایسے اعتقادوں سے دن بدن دست بردار ہوتے جاتے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ ہمارے مخالف مسلمان گورنمنٹ کے سچے مطیع نہیں ہیں بلکہ بلاشبہ مطیع ہیں مگر کاش اگر ایسا اعتقاد نہ ہوتا تو اچھا تھا" اسپر ایڈیٹر صاحب عصر جدید اوپر کا عنوان قایم کرکے لکھتے ہیں کہ ہم خوش ہیں کہ مرزا صاحب نے اپنی پالیسی کسیقدر بدل دی مگر یہ نہیں لکھا کہ پہلے کونسی پالیسی تھی اور اب اس میں کیا تبدیلی ہوئی پھر لکھا ہے کہ "نہایت جاہل اور بے عقل شخص جہاد کے یہ معنے سمجھتے ہوں گے کہ جس مخالف خیال شخص کو دیکھا مار ڈالا" مگر بہتر ہوتا اگر وہ ساتھ یہ بھی اعلان کر دیتے کہ ایسے جاہل اور بے عقل شخصوں کا وجود مسلمانوں میں بالکل نہیں پایا جاتا - تا انکے کلام سے کچھ نتیجہ اخذ ہو سکتا - مگر ایک سوال پر ایڈیٹر صاحب عصر جدید نے روشنی نہیں ڈالی اور وہ یہ ہے کہ صاحب العصر صاحب جسوقت آئیں گے تو وہ انکے اعتقاد کے رو سے یا عامہ مسلمانوں کے اعتقاد کے رو سے مخالف خیال شخصوں کو مار ڈالیں گے یا نہیں - اور کیا انکی یہ کارروائی جہاد ہی کہلائیگی یا کسی اور نام سے موسوم ہو گی - اگر یہ بھی جہاد ہی ہوگا تو کیا پھر آپ کا یہ کہنا صحیح ہے کہ "نہایت جاہل اور بے عقل شخص" جہاد کے ایسے معنے سمجھتے ہیں؟ اس اعتراض کو رفع کرنیکے لیے خواجہ غلام الثقلین صاحب نے لکھا ہے کہ "اس کا ظہور مافوق العادت طاقت اور معجزات کے ساتھ ہوگا اور دنیوی کوششوں اور سازشوں کو اس میں دخل نہیں" مگر کیا آپ یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ وہ مافوق العادت طاقت اور معجزات جو آپکے ذہن میں ہیں وہ قتل کفار ہی ہے یا کچھ اور؟ یا آیا عام مسلمانوں کے اعتقاد کے بموجب قتل کفار مافوق العادت طاقت اور معجزہ مہدی کا ہے یا نہیں؟ صفائی سے بات کرنے میں بہت فایدے ہیں آپنے یہ تو اطمینان کر لیا ہوگا کہ واقعی جس عقیدہ کی طرف مرزا صاحب بلاتے ہیں وہ انہوں نے صرف خفیہ پولیس یا گورنمنٹ کے ڈر سے بنا لیا ہے کیونکہ کوئی عقلمند انسان اپنی قلم سے ایسے الفاظ نہیں نکال سکتا جنکا ثبوت

اسکے پاس پورا پورا نہ ہو۔ امید ہے آپ اس ثبوت کو بھی ظاہر کرکے پبلک کو ممنون احسان کریں گے۔ مگر آپکے ان الفاظ سے
کہ ”حضرت مرزا صاحب یا انکے مرید خفیہ پولیس یا گورنمنٹ کے اندیشہ سے کوئی عقیدہ بناویں یا ظاہر کریں وہ جانیں اور انکا ملہم جانے
مسلمان اور جملہ مذاہب اپنے اصول الہامی کے ماتحت ہیں وہ کسی پولٹیکل وجہ سے اصول مذہب کو کیسے بدل سکتے ہیں“ یہ
ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا عقیدہ مہدی کے متعلق پولٹیکل وجہ سے ضرور خطرناک ہے۔ آپنے اس حالت کو ان گول مول الفاظ
میں ظاہر کیا ہے کہ اسوقت ”دنیا میں ایک قسم کی قیامت صغریٰ برپا ہو گی جبکہ عالم اسباب ماتحت عالم امر کے ہو جاویگا“
کیا آپ کا اس سے یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں کی جو ذمہ واریاں اور فرائض گورنمنٹ کے متعلق اسوقت ہیں وہ اُسوقت نہیں رہینگی؟
بلکہ اُسوقت وہ سب مہدی کے امر کے نیچے ہونگی اگر یہ مطلب نہیں تو کھلے الفاظ میں آپ اپنا مطلب بیان کریں حضرت مرزا صاحب
اور انکے مرید تو آپکے نزدیک خفیہ پولیس یا گورنمنٹ سے ڈرتے ہیں مگر آپ تو ڈرنیوالے نہیں ہیں آپ کم ازکم مرزا صاحب
کی طرح ہی کھلے الفاظ میں اپنا عقیدہ مہدی کے متعلق بیان کردیں کہ آیا وہ آکر غیر مسلموں سے محض مذہب کی خاطر جنگ
کریگا یا نہیں۔ پھر ضرورت ہوئی تو میں بھی کتابوں کا حوالہ دیکر دکھاؤنگا کہ آیا ”نہایت جاہل اور بے عقل اشخاص جہاد کے
یہ معنے سمجھتے ہیں کہ جس مخالف خیال شخص کو دیکھا مار ڈالا“ یا آیا بعض دانا اور عقلمند آدمیوں کا بھی یہی خیال ہے بلکہ
آپکے نزدیک تو امام مہدی چند شیعوں کو چھوڑکر باقی مسلمانوں پر بھی ہاتھ صاف کریگا آپ لکھتے ہیں کہ مسلمان کسی پولٹیکل وجہ سے اصول
مذہب کو کیسے بدل سکتے ہیں میں حیران ہوں کہ یہ کس کا جواب ہے۔ حضرت مسیح موعود آپ کو یہ نہیں کہتے ہیں کہ پولٹیکل وجہ سے
اس عقیدہ کو چھوڑ دو بلکہ یہ تو ایک حد تک آپ کا اپنا خیال ہے کیونکہ آپ لوگ یہ تو مانتے ہیں کہ جب مہدی آئیگا تب وہ
دین کے مخالفوں کو قتل کرکے ساری دنیا پر شیعہ مذہب کو پھیلائیگا مگر جبتک صاحب العصر غائب ہے اسوقت تک غالباً
کسی پولٹیکل مصلحت کی وجہ سے آپ بزور شمشیر دین پھیلانیکے عقیدہ سے انکار کر رہے ہیں۔ مگر حضرت مرزا صاحب
پولٹیکل وجہ سے اس عقیدہ کو آپ سے چھڑوانا نہیں چاہتے بلکہ وہ اصولاً اس بات کو غلط سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کسی وقت
بھی دین کا بزور شمشیر پھیلانا جائز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ وہ مہدی خونی کے عقیدہ کو غلط کہتے ہیں۔ خواہ صاحب العصر ہو
یا کوئی اور صاحب ہو یہ کسی کے لیے جائز نہیں کہ مخالفین اسلام کو محض مذہبی مخالفت کی وجہ سے قتل کرے اور دلیل اسکی
صاف ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا تو مہدی آخر آپ کا ہی ایک غلام ہو گا اس کے لیے کس طرح جائز
ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف چلے اور جو کام آپنے نہیں کیا وہ کرے۔ آپ کا اختیار ہے کہ کسی
پولٹیکل مصلحت کی وجہ سے اسوقت جہاد شمشیر کو ناجائز قرار دیں اور مہدی کے وقت اسے جائز سمجھ لیں مگر حضرت مرزا صاحب
اسکو اصولاً غلط سمجھتے ہیں۔ اور یہی تعلیم دیتے ہیں اور آپ کا انکی نسبت یہ کہنا کہ گورنمنٹ کے اندیشہ سے یہ عقیدہ ظاہر
کررہے ہیں اور اصل میں عقیدہ کچھ اور ہے اگر اپنے نفس پر قیاس نہیں تو محض آپ کی بدطینتی کا ثبوت ہے۔ اگر ایسا فقرہ
ہم آپکے متعلق کہدیں کہ اصل میں آپ جہاد کے عقیدے کے قائل ہیں کیونکہ مہدی خونی کے منتظر ہیں اور خفیہ پولیس

یا گورنمنٹ کے ڈر سے صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ جہاد شمشیر جایز نہیں تو معلوم نہیں آپ کسقدر غیظ و غضب میں آئیں۔

تجلّی اور القائے شیطانی

تجلّی بائبل سوسائٹی لاہور کے مذہبی ماہوار رسالہ میں ہمیشہ کے لیے ایک یادگار چراغدین کی قایم کی گئی ہے یعنی چند صفحے اسلام پر حملہ کرنیکے لیے مخصوص کیے گئے ہیں آج کل اس حملہ نے القائے شیطانی کا رنگ اختیار کیا ہوا ہے۔ چراغدین ایک شخص جموں کا رہنے والا تھا جس نے رسالت کا جھوٹا دعویٰ کیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی تین سال پیشتر کی پیشگوئی کے مطابق طاعون سے ہلاک ہوا یہ شخص درپردہ عیسائی تھا اور مسلمانوں میں سے اسکے ساتھ کوئی نہیں ہوا مگر بعض عیسائی صاحبان نے اسکو خدا کا سچا رسول سمجھکر اسکے مرنے پر ایک یادگار بھی قایم کر لی چراغدین کے ان مریدوں میں سے ایک صاحب غالباً وہ ہیں جو آجکل چراغدین کے عنوان سے رسالہ تجلّی میں مضمون لکھتے ہیں۔ مئی کے پرچہ میں "کلام اللہ میں القائے شیطانی" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا ہے۔ فہرست مضامین کو پڑھکر تو یہی خیال میں آتا ہے کہ چونکہ عیسائی صاحبان کلام اللہ انجیل کو ہی کہتے اور سمجھتے ہیں شائد لکھنے والے نے اس قصہ کا تذکرہ لکھا ہوگا جو انجیل میں مذکور ہے کہ حضرت مسیح شیطان کے پیچھے پیچھے پھرتے رہے۔ کیونکہ اس قصہ کی نسبت بعض پادری صاحبان کا یہ بھی خیال ہے کہ دراصل ایسا نہ ہوا تھا کہ واقعی شیطان اور حضرت مسیح اکٹھے پھرتے رہے ہوں اور جدھر شیطان انکو لے گیا اُدھر ہی وہ اس کے پیچھے پیچھے چلے جاتے ہوں بلکہ یہ صرف القائے شیطانی تھا۔ اگر اس قصہ کا تذکرہ ہوتا تو کچھ تعجب کی بات نہ تھی کیونکہ واقعی عیسائیوں کے کلام اللہ میں یہ قصہ لکھا ہے اور کلام اللہ میں القائے شیطانی، کا عنوان خوب اسپر صادق آتا ہے۔ مگر جب اندر سے رسالہ کھولا تو مجھے نہایت تعجب ہوا کہ مضمون نویس باوجود عیسائی ہونیکے کلام اللہ سے مراد قرآن شریف لیتا ہے۔ اور پھر عجیب دجل کے ساتھ اس میں القائے شیطانی کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنے پہلے بزرگوں کی طرح اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ سورہ نجم پڑھتے پڑھتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی عظمت کو تسلیم کیا۔ اور کہ نعوذ باللہ شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیئے تلك الغرانیق العلیٰ وان شفاعتهن لترتجیٰ۔ اس قصہ کا مفصل رد میں ریویو آف ریلیجنز جلد ۴ نمبر ۱ بابت اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء کے صفحہ ۳۷۴ لغایت ۳۹۴ میں کر چکا ہوں اگر پادریصاحبان کی غرض حق طلبی ہوتی تو وہ پہلے ان دلایل پر غور کرتے مگر انکی غرض صرف اعتراضوں کو بار بار دہرائے جانا ہے۔ روایت کے متعلق ہمارے ناظرین کو خوب علم ہے کہ ایک کثیر تعداد محدثین نے اسکو وضعی قرار دیا ہے واقدی اور طبری کی روایتوں میں یہ قصہ پایا جاتا ہے مگر ان لوگوں کو محدث کوئی نہیں کہتا۔ پھر اگر کسی محدث نے

غلطی کھاکر اسکو صحیح سمجھ لیا ہو تو اس سے واقعی اسکا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جن لوگوں نے اسے وضعی قرار دیا ہے انہوں نے اس کے راویوں پر جرح کر کے ایسا ثابت کیا ہے۔ تجلّی میں ان تمام محدثین کی تنقید کو یہ کہکر رد کر دیا گیا ہے کہ چونکہ اس قصہ سے آنحضرت صلعم کی شان میں فرق آتا تھا اس لیے محدثین نے اسکو رد کر دیا۔ یہ اگر جہالت نہیں تو بے ایمانی ہے۔ محدثین راویوں کے اعتبار اور بے اعتباری انکے صدق اور کذب وغیرہ حالات کے لحاظ سے روایتوں کو پرکھتے تھے۔ انہوں نے ہزارہا احادیث کو جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی بڑی تعریف کیگئی تھی قبول نہ کیا اسوجہ سے کہ انہوں نے راویوں کو قابل اعتبار نہ پایا۔ اسلام کے محدثین کچھ متی مرقس لوقا یوحنا کی طرح تو تھے نہیں کہ چھوٹی موٹی روایت لیکر اور اسکو مبالغہ کے ساتھ کچھ کا کچھ بنا کر بیان کر دیں محض اس لیے کہ اس سے یسوع کی عظمت ظاہر ہو۔ محدثین کا مسلک صرف مؤرخانہ تھا۔ انہوں نے اعلیٰ درجہ کی تنقید اور تحقیق کے ساتھ ہر ایک روایت کی صحت کو پرکھا اور یہ ایک لمحہ کے لیے بھی خیال نہیں کیا کہ جو روایت انکے خیال میں آنحضرتؐ کی عظمت کو بڑھاوے اسے صحیح مان لیں اور جس سے آنحضرتؐ کی شان میں کچھ فرق آتا ہو اسے رد کر دیں۔ اگر مسیح کے پیرو بھی اسی مسلک کو اختیار کرتے تو آج ایک دنیا ایک ضعیف انسان ایک عاجز عورت کے بیٹے کو خدا مانکر کیوں ہلاکت کے گڑھے میں پڑتی۔ بہرحال محدثین پر یہ الزام دینا کہ انہوں نے محض اس وجہ پر اس روایت کو وضعی کہدیا۔ ان بزرگوں پر ایک افترا ہے اس کے ساتھ کونسی تاریخی شہادت ہے جس کی وجہ پر اسے قبول کر لیا جاوے اور پھر جن لوگوں نے اسے قبول کیا انکو کیوں یہ خیال نہ آیا کہ اس سے آنحضرتؐ کی شان میں فرق آتا ہے اور انہوں نے کیوں اسی وجہ پر اسے وضعی نہ کہدیا۔ اگر درحقیقت محدثین اس خیال پر جمع حدیث کرتے تو کوئی شخص بھی اس روایت کو قابل اعتبار نہ ٹھیراتا یا مانتا۔ اصل بات یہ ہے کہ انکو اس سے کوئی غرض نہ تھی بلکہ وہ صرف راویوں کے حالات کے لحاظ سے روایتوں کو پرکھتے تھے۔ پس جن لوگوں سے اسکے بعض راویوں کے کوئی حالات مخفی رہ گئے انہوں نے اس کو قابل اعتبار سمجھ لیا اور جن کو انکے پوست کندہ حالات معلوم ہو گئے انہوں نے اسے انکے حالات کے لحاظ سے وضعی قرار دیدیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کس طرح فیصلہ کریں۔ سو بات یہ ہے کہ ہمارے فیصلہ کرنیکے لیے کافی وجوہات موجود ہیں۔ اوّل تو اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ زیادہ معتبر محدثین کس طرف ہیں۔ ان میں سب سے بڑھکر امام بخاری ہیں سو انہوں نے اس روایت کے ایک حصہ کو جو کفار کے سجدہ کے متعلق ہے۔ مختلف طرق سے بیان کیا ہے مگر دوسرے حصہ کو قطعاً چھوڑ دیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اسے وضعی پایا ایسا ہی صحاح ستہ کی سب کتب نے اس روایت کو مردود ٹھہرایا ہے۔ امام بخاری کا سجدہ کفار کی روایت کو بیان کرنا صاف بتاتا ہے کہ انہوں نے اور ایسا ہی دیگر جامعین صحاح نے غرانیق والی روایت کو قابل اعتبار نہیں سمجھا اسی لیے رد کیا۔ پس جب ایسے ایسے محدثین اسکو رد کریں تو طبری اور واقدی کس شمار میں ہیں۔ ہاں اگر امام بخاری سجدہ والی روایت کو بھی

بیان نہ کرنے تو یہ قیاس ہو سکتا تھا کہ شاید اس روایت کا انہیں علم ہی نہ ہوا ہو اور اگر اس کا علم ہوتا تو معلوم نہیں وہ اسے کیسا سمجھتے۔ دوسرا امر ہمارے فیصلہ کے لیے کثرت محدثین کی ہے اور ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ آیا اکثر محدثین نے اسے کیسا سمجھا سو اسوجہ پر بھی ہم اسے مردود ہی پاتے ہیں۔ یہ دو امر تو بیرونی شہادت کے متعلق ہوئے مگر اندرونی شہادت نہایت زور کے ساتھ اس روایت کو جھوٹی اور غلط ٹھہراتی ہے۔ اس اندرونی شہادت کو میں مفصل پہلے بیان کر چکا ہوں خود سورۃ نجم کی شہادت یہی بتارہی ہے کیونکہ اس سورۃ میں یہی چند لفظ بتوں کی مذمت کے نہیں بلکہ ساری سورۃ اس کے بعد بتوں کی بے حقیقتی اور اللہ تعالےٰ کی عظمت و جلال کو ظاہر کرتی ہے اسکی تفصیل کے لیے میں پہلے مضمون کا ہی حوالہ دونگا۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا ساری سورۃ نجم میں ایک لفظ بھی ایسا ہے جس سے پایا جاتا ہو کہ جو تحقیر بتوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سے کرتے رہے تھے اس سورۃ میں وہ پیرایہ قائم نہیں رہا اور بدل دیا گیا۔ اور نہیں صرف آخری رکوع کو پڑھ لو اس میں لکھا ہے الاتزر وازرۃ وزر اخریٰ جس میں نہ صرف عیسائیوں کے کفارہ بلکہ بتوں کی شفاعت کا بھی انکار ہے۔ پھر اس تمام ترکیب پر غور کرو جو ان فقرات میں پائی جاتی ہے۔ وانہٗ ھو اضحک وابکیٰ ۝ وانہ ھو امات واحییٰ ۝ وانہٗ خلق الزوجین الذکر والانثیٰ ۝ من نطفۃ اذا تمنیٰ ۝ وان علیہ النشاۃ الاخریٰ ۝ وانہٗ ھو اغنیٰ واقنیٰ ۝ وانہٗ ھو رب الشعریٰ۔ یہ ساری ترکیبیں حصری ہیں انہٗ اضحک وابکیٰ بھی کافی تھا مگر ھو حصر کے لیے ساتھ بڑھایا۔ اور تاکید پہلے سے موجود ہے۔ جس سے ایک نہایت موکدانہ پیرایہ میں ان مطالب کا بیان کرنا مقصود ہے یعنی صرف وہی ہے جو ہنساتا اور رلاتا ہے وہی زندگی دیتا وہی مارتا ہے وہی دوبارہ اٹھاتا ہے وہی دولتمند کرتا ہے کوئی بت یا کوئی ستارہ یا کوئی فرشتہ رب نہیں بلکہ وہی سب کار ہے۔ اس تمام کلام میں صریح اور صاف الفاظ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ بتوں کو کسی قسم کی کارروائی میں کوئی دخل نہیں۔ اگر ان الفاظ کو سنکر بھی کفار خوش رہے تھے تو انسے بڑھکر احمق دنیا میں کون ہوگا۔ ہاں تجلی کے مضمون نویس کا ہم ذمہ نہیں اٹھاتے۔ پھر اسی پر کفایت نہیں۔ آگے بیان کیا ہے انہٗ اھلک عاد ن الاولیٰ ۝ وثمود فما ابقیٰ ۝ وقوم نوح من قبل انھم کانوا ھم اظلم واطغیٰ ۝ والمؤتفکۃ اھویٰ ۝ فغشٰھا ما غشّٰی۔ اب اگر ایک شخص بالکل حق سے آنکھیں بند نہ کرلے تو وہ دیکھ سکتا ہے کہ انکی ہلاکت کیوں ہوئی اور یہاں اس کا تذکرہ کیوں ہوا۔ عاد اور ثمود اور قوم نوح اور الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والے یعنی قوم لوط کیوں ہلاک ہوئے وہ کونسا پیغام انکو پہنچایا گیا تھا جو انہوں نے نہ مانا جس کی وجہ سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے کیا کفار عرب اس بات کو نہ جانتے تھے کہ انکی بت پرستی کی وجہ سے ہی ہلاکت ان لوگوں پر آئی تھی قرآن شریف میں بار بار اس کا ذکر ہے جہاں سے چاہو پڑھکر دیکھ لو۔ حضرت نوحؑ کا پیغام اپنی قوم کی طرف یہ تھا ان اعبدو االلہ انہوں نے نہ مانا وقالوا لاتذرن الھتکم ولا تذرن ودا ولاسواعا ولا یغوث ویعوق

و نسرا یہی کہا کہ اپنے بتوں کو نہ چھوڑو کیا نتیجہ ہوا اغرقوا فادخلوا نارا۔ یہی تذکرہ سورہ نجم کے مختصر الفاظ میں یاد دلایا۔ اسی طرح عاد کو انکے رسول نے کہا یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہٍ غیرہ۔ حضرت ہود نے بہتیرا سمجھایا اتجادلوننی فی اسماء سمیتموھا انتم و اباء کم مانزل اللہ بھا من سلطٰن۔ یہی الفاظ بتوں کے متعلق سورہ نجم میں بھی ہیں ان ھی الا اسماء سمیتموھا انتم و اباء کم ما انزل اللہ بھا من سلطٰن) پر انہوں نے نہ مانا نتیجہ کیا ہوا فقطعنا دابر الذین کذبوا۔ ہلاک کر دیے گئے۔ پس عاد کے قصہ کا تذکرہ کر کے یہی واقعات کفار یعنی قریش کو یاد دلائے۔ ثمود کو بھی حضرت صالح نے یہی کہا تھا یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہٍ غیرہ مگر وہ نہ مانے اور ہلاک ہوئے۔ اسی طرح قوم لوط کا حال ہوا۔ اب جائے غور ہے کہ کیا یہ بتوں کی شفاعت تسلیم کیجارہی ہے یا انکی تحقیر اور تذلیل کیجارہی ہے اور انکو قوموں کی ہلاکت کا سبب بتایا جارہا ہے۔ پھر اس سے آگے بیان فرمایا کہ یہ نہ سمجھنا کہ تم بچ رہوگے ازفت الاٰزفۃ تمہاری ہلاکت کی گھڑی بھی آپہنچی ہے لیس لھا من دون اللہ کاشفہ اللہ کے سوا اسے کوئی دور نہیں کر سکتا۔ اب بتاؤ بت کہاں گئے۔ یہاں تو کہنا چاہیئے تھا کہ وہی غرانیق علیٰ جنکی شفاعت قابل قبول ہے اس گھڑی کو تمہارے سر سے ٹال دیں گے نہ یہ کہ کوئی ٹال ہی نہیں سکتا۔ یہ عجیب شفاعت ہے کہ موقعہ پڑا تو شفیعوں کا پتہ ہی نہیں۔ پھر فرمایا اس بات سے تعجب کرو۔ اگر گنجایش ہوتی تو میں کھول کھولکر دکھاتا کہ پادری صاحبان کسقدر حق پوشی اور ظلم سے کام لے رہے ہیں۔ اور خود سورہ نجم کیسے زور سے اس روایت کو مردود ٹھہراتی ہے۔ اگر یہ کہو کہ پادریصاحبان کا کیا قصور ہے بعض محدثین نے بھی تو اس روایت کو صحیح مان لیا۔ تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ محدثین نے جب روایت پر بحث کی تو انہوں نے تمام شہادت پر غور نہیں کیا بلکہ روایت کو محض بلحاظ راویوں کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونیکے پرکھا۔ اور صرف اسی ایک پہلو کے لحاظ سے فیصلہ کیا کسی راوی کے صحیح حالات انکو معلوم نہ ہوئے اور وہ غلطی کھا گئے مگر پادریصاحبان کے سامنے اندرونی اور بیرونی شہادت اس کے باطل ہونیکی پیش کیجاتی ہے اور وہ اسے نظر انداز کر کے انہی اعتراضوں کو جو کبھی انکا کوئی بڑا کر گیا تھا دوہراتے چلے جاتے ہیں۔ یہ ایمانداری نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ عمداً پبلک کو دھوکہ دے رہے ہیں تین باتیں بڑی سمجھ کر تجلی میں پیش کی گئی ہیں۔ کفار نے سجدہ کیوں کیا۔ حبشہ سے مسلمان کیوں واپس آئے اور انہوں نے اپنی واپسی پر مخالفت کو بڑھا ہوا کیوں پایا کہا جاتا ہے کہ جبتک یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ بتوں کی شفاعت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اسوقت تک ان تینوں باتوں کی کوئی تشریح نہیں ہو سکتی اوّل سجدہ پر غور کرو۔ کیوں سجدہ کیا؟ اس کی حقیقت خود بخود کھل جائیگی جب یہ معلوم ہو جائے کہ کس موقعہ پر سجدہ کیا۔ اگر سجدہ بتوں کے تذکرہ کے موقعہ پر ہوتا تو بیشک یہ قیاس کرنا پڑتا کہ ضرور کچھ بتوں کی تعریف کی گئی ہوگی جو کفار نے سجدہ کیا مگر کسی کمزور روایت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ سجدہ اس موقعہ پر کیا گیا بلکہ تمام روایات

یہی بتاتی ہیں کہ سجدہ اخیر سورۃ پر کیا۔ اب یہ میں پہلے دکھا چکا ہوں کہ اخیر سورۃ پر کیا تذکرہ ہے۔ اور اخیر رکوع کا خلاصہ دے چکا ہوں پہلے یہ بتایا کہ ہر ایک کام کے اسباب پیدا کرنیوالا صرف خدا ہی خدا ہے نہ کوئی اور۔ پھر یہ بتایا کہ جب پہلی قوموں نے رسولوں کو نہ مانا تو وہ ہلاک کی گئیں۔ پھر اس کے ساتھ ہی کہا ھٰذا نذیر من النذر الاولیٰ یہ پیغمبر بھی انہی میں سے ایک ہے اگر اس کا کہا نہ مانو گے تو وہی حال تمہارا ہوگا پھر بتایا کہ وہ گھڑی تمہاری ہلاکت کی قریب آپہنچی۔ اور ایک اللہ کے سوا اسے ٹال بھی کوئی نہیں سکتا۔ پھر فرمایا کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو اور ہنستے ہو اور روتے نہیں اور تم ہکا بکے رہ گئے ہو۔ اگر اپنا بچاؤ چاہتے ہو تو ایک اللہ ہی کے آگے سجدہ کرو اور اسی کی پرستش کرو۔ اس موقعہ پر سجدہ کرنا صاف بتا رہا ہے کہ قرآن شریف کے اس مرعوب کر دینے والے پیرایہ بیان سے مرعوب ہو کر کفار نے سجدہ کیا۔ یہ بات ثابت ہے کہ جب عذاب کا وعدہ دیا جاتا تھا تو وہ ڈر جایا کرتے تھے اور آنحضرتؐ کی بددعا سے بہت ڈرتے تھے۔ ایک طرف قرآن کریم کا اعجازی بیان اور زبردست دلایل دوسری طرف انکے دلوں میں پہلے سے آنحضرتؐ کی عظمت اور آپکا رعب کیونکہ حق اپنے اندر ایک رعب رکھتا ہے جب کفار نے مسلمانوں کو سجدہ کرتے دیکھا تو وہ بھی ساتھ ہی سجدہ میں گر گئے۔ اور کوئی خدا کی ہستی کے وہ منکر بھی نہ تھے۔ اس کے جواب میں یہ آیت پیش کی جاتی ہے واذا قرئ علیہم القرآن لایسجدون مگر یہ بھی دھوکا ہی ہے۔ اصل الفاظ یوں ہیں فما لھم لا یؤمنون واذا قرئ علیہم القرآن لا یسجدون جو ایک تنبیہی جملہ ہے یہ تو انکے لیے زجر ہے کہ کیوں سجدہ نہیں کرتے جیسا خود سورہ نجم میں بھی فرمایا افمن ھٰذا الحدیث تعجبون و تضحکون ولا تبکون۔ وانتم سامدون۔ اسی کا مؤید عتبہ بن ربیعہ کا قصہ بھی ہے جب وہ کفار کی طرف سے آپکے پاس پیغام لیکر پہنچا تو آپنے جواب میں سورہ حٰمٓ السجدہ پڑھنی شروع کی جب آپ اس موقعہ پر پہنچے فانذرتکم صٰعقۃ مثل صٰعقۃ عاد وثمود تو عتبہ نے آپکے منہ پر ہاتھ رکھدیا اور رحم کا واسطہ دیکر عرض کیا کہ یہ نہ کہیں۔ چنانچہ جب یہ ایلچی قریش کے پاس واپس گیا۔ تو انکو جاکر اس نے یہی کہا کہ میں ڈر گیا کہ ہم پر عذاب نازل نہ ہو پس ایسا ہی ذکر یہاں بھی تھا۔ قرآن کریم کی اعجازی طاقت اور کفار پر اثر ڈالنے کی طاقت کا حال اور کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے جنکا تذکرہ موجب تطویل ہے۔ ایک مثال اسکی یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر اپنے صحن میں قرآن شریف بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے تو کفار نے روکا کہ یہ ہمارے بچوں اور عورتوں کو مسلمان کرے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ مسلمان حبشہ سے کیوں واپس آئے یہ تو سیدھی بات ہے جب انکو کفار کے سجدہ کی خبر پہنچی وہ واپس آگئے انہوں نے قیاس کر لیا کہ جب کفار نے سجدہ کر دیا ہے تو ضرور مسلمان ہو گئے ہونگے۔ یا کم از کم اذیت دینے سے باز آگئے ہونگے۔ بلکہ خود طبری وغیرہ کی روایتوں کی رو سے جو افواہ حبش میں مسلمانوں کو پہنچی وہ یہ نہ تھی کہ آنحضرتؐ نے بتوں کی عظمت کو تسلیم کر لیا ہے بلکہ یہ تھی کہ کفار نے سجدہ خدا کو کیا ہے یا کہ کفار مسلمان ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ صحیح ہوتا کہ بتوں کی عظمت کو تسلیم کیا جاتا تو افواہ بھی یہی پہنچنی چاہیئے تھی بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود چاہیئے تھا کہ انکو آدمی بھیجدیتے اور کہدیتے کہ فلاں وحی نازل ہوئی ہے جس کے مطابق ہم نے بتوں کی مذمت کو چھوڑ دیا ہے تم بھی اب کفار کے بالمقابل یہی طرز اختیار کرو اور ان سے

بتوں کی عظمت کو جہاں کہیں وہ ہوں تسلیم کر لو۔ مگر یہ کہیں سے پتہ نہیں لگتا کہ ایسی کوئی افواہ مشہور ہوئی تھی یا ایسی خبر حبش تک پہنچی تھی بلکہ اگر خبر پہنچی تو یہ کہ کفار نے سجدہ کیا ہی یا یہ کہ کفار مسلمان ہو گئے ہیں خود اس بات سے بھی روایت کی تردید ہوتی ہے کیا یہ عجیب بات نہیں کہ بتوں کی عظمت کو آنحضرتؐ تسلیم کریں اور مشہور یہ ہو جائے کہ کفار مسلمان ہو گئے۔ علاوہ ازیں ایک اور لحاظ سے یہ روایت مردود ثابت ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہے جیسا کہ کل معترضین نے مانا ہے کہ کچھ مدت تک وہی حالت رہی ہو جو سورہ نجم کی تلاوت کے وقت ہوئی تھی۔ ورنہ حبش تک خبر پہنچنا اس طرح ممکن نہ تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ قرآن شریف تو سارا بتوں کی مذمت سے بھرا پڑا ہے۔ کیا کسی چھوٹی موٹی روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان ایام میں سارے قرآن شریف میں سے یہ حصے نکال دئے گئے تھے۔ اور نمازوں میں جسقدر قرآن شریف پڑھا جاتا تھا یا جتنے کی تلاوت عام طور پر کی جاتی تھی یا جو نسخوں میں لکھا جاتا تھا اس سب میں سے بتوں کی مذمت نکال دیگئی تھی۔ کیونکہ اگر ہر ایک سورۃ میں انکی برائی کا ذکر نہ کیا جاتا تو کم از کم یہ تو ضرور تھا کہ تمام مقامات میں سے بتوں کی مذمت نکال دی جاتی جس سے سارا قرآن شریف خصوصاً اس کا ابتدائی حصہ بھرا پڑا ہے۔ ورنہ کفار احمق کیونکر خوش ہو گئے کہ اگر ایک مقام پر انکے بتوں کی عظمت بیان کر دی تو ہزار مقام پر انکی ویسی ہی مذمت موجود تھی۔ پس اس روایت کے حامیوں کو چاہیئے کہ سب سے پہلے یہ ثابت کریں کہ تمام قرآن شریف میں سے یعنی جسقدر اسوقت تک نازل ہو چکا تھا بتوں کی مذمت معاً اس کے بعد نکال دیگئی تھی اور اسکی بجائے تعریفی الفاظ ڈال دیئے گئے تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب حبش سے مسلمان واپس آئے تو انہوں نے کفار کی مخالفت کو بڑھا ہوا پایا پس ضرور ہے کہ آنحضرتؐ نے بتوں کی عظمت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہوگا اسوجہ سے کفار زیادہ دشمن ہو گئے۔ پادری صاحبان کی اس منطق پر ایک سنجیدہ سے سنجیدہ آدمی کو بھی بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ ہاں اگر منطق کے ایسے اصول پادری صاحبان نے حفظ نہ کر رکھے ہوتے تو ایک انسان کے بچے کو خدا کیوں بناتے۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو آنحضرتؐ کی لائف کو پڑھکر اس بات کو نہیں سمجھ لیتا کہ جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا تھا کفار کی مخالفت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ یہ تو ایک موٹی بات ہے معلوم نہیں پادری صاحبان اسکو کیوں نہیں سمجھ سکتے۔ دن بدن کفار آنحضرتؐ سے زیادہ مایوس ہوتے چلے جاتے تھے اور اسلیے انکی غصہ کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی چلی جاتی تھی جیسا جیسا آنحضرتؐ بتوں کی مذمت پر اور خدائے وحدہ لاشریک کی عظمت پر زور دیتے تھے ویسا ویسا ہی انکی مخالفت بھی بڑھتی جاتی تھی۔ پہلے وہ معمولی ایذائیں پہنچاتے تھے پھر بڑے بڑے دکھ دینے شروع کیے آخر قتل کرنیکی تجویزیں کیں اسی طرح مسلمانوں سے بھی دن بدن انکی سختی بڑھ رہی تھی۔ کیونکہ اسلام کی ترقی سے جو باوجود انکی مخالفت کے وہ کر رہا تھا اور بھی ان لوگوں کا غصہ بڑھتا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ مخالفت سے اور سختی کر کے اسلام کو نیست و نابود کر دیں۔ کیا پادری صاحب یہ بتا سکتے ہیں کہ اس واقعہ سے آٹھ سال بعد یعنی ہجرت کے وقت کونسی بتوں کی عظمت تسلیم کر کے آنحضرتؐ نے انکار کیا تھا جو کفار کی مخالفت کی حد ہو گئی اور کل مسلمانوں کو مع آنحضرتؐ کے بھاگنا پڑا یا پھر مدینہ میں جا کر کونسی بتوں کی عظمت آپ نے تسلیم کر کے پھر انکار کیا تھا جو آپ کی ہلاکت کے لیے زبردست فوجیں آپ پر چڑھا کر لائی گئیں۔ خدا ہی ان لوگوں کو سمجھ دے جو ناحق مخلوق کو دھوکا دے رہے ہیں۔ کاش وہ کسی بہتر اور مفید کام میں اپنا وقت ضرور ایسے صرف کرتے جس سے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچتا

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۴-جولائی ۱۹۰۶ء۔ ۴-جولائی کی صبح کو حضرت اقدسؑ کے اہل بیت چند یوم کے لیے لاہور کو روانہ ہوئے۔ انکے لیے پہلے سے انٹرمیڈیٹ کے چند خانوں کے ریزرو کرنیکے لیے سٹیشن ماسٹر بٹالہ سے خط و کتابت ہو چکی تھی۔ اسی دن ظہر کے وقت حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ "آج دوپہر کے بعد مجھے خیال آیا کہ ہمارے گھر کے آدمی اب شاید امرتسر پہنچ گئے ہونگے اور یہ بھی خیال تھا کہ امن و امان سے لاہور میں پہنچ جائیں۔ تب اس خیال کے ساتھ ہی کچھ غنودگی ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ نخود کی دال (جو رنج اور ناخوشی پر دلالت کرتی ہے) میرے سامنے پڑی ہے اور اس میں کشمش کے دانے قریباً اسی قدر ہیں اور میں اس میں سے کشمش کے دانے کھا رہا ہوں اور میرے دل میں خیال گذر رہا ہے کہ یہ انکی حالت کا نمونہ ہے اور دال سے مراد کچھ رنج اور ناخوشی ہے کہ سفر میں انکو پیش آئی ہے یا آنیوالی ہے پھر اسی حالت میں میری طبیعت الہام الٰہی کی طرف منتقل ہو گئی اور اس بارہ میں الہام ہوا۔ خَیْرٌ لَّھُمْ خیر لھم یعنی انکے لیے بہتر ہے۔ انکے لیے بہتر ہے۔ بعد اس کے اسی نظارہ خواب میں چند پیسے دیکھے کہ وہ اور تشویش پر دلالت کرتے ہیں" سو یہ خواب جس کا پہلا حصہ کسیقدر تشویش پر دلالت کرتا تھا اسطرح پورا ہوا کہ ریزرو گاڑی کیلیے جو انتظام کیا گیا تھا اور جس کے لیے بموجب قواعد ریلوی پہلے سے اطلاع دیگئی تھی وہ نہ ہو سکا اور اٹھارہ ۱۸ بیس ۲۰ آدمیوں کے ایک قافلہ کو جس میں زیادہ تر عورتیں اور بچے ہوں جو تشویش اس صورت میں ہو سکتی ہے۔ ہر ایک شخص اندازہ کر سکتا ہے۔ اسکے بعد حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ خواب اور الہام تو ایک طرح پورا ہو گیا ہے مگر ایک خیال مجھے باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ چیزیں جو رنج اور خوشی پر دلالت کرتی ہیں وہ دو بارہ دکھائی گئی ہیں یعنی اول چنے کی دال دکھلائی گئی اور پھر چند پیسے دکھلائے گئے۔ ایسا ہی الہام بھی دو دفعہ ہوا کہ خیر لھم۔ خیر لھم۔ اس لیے دل میں ایک یہ خیال ہے کہ خدانخواستہ کوئی اور امر مکروہ پیش نہ آیا ہو جس کے لیے دو دفعہ دو ایسی چیزیں دکھلائی گئیں کہ علم تعبیر کے رو سے رنج اور تشویش پر دلالت کرتی ہیں اور ایسا ہی انسے محفوظ رکھنے کیلیے دو دفعہ یہ الہام ہوا کہ خیر لھم۔ خیر لھم۔ یہ دوسرا حصہ خواب کا جس کے متعلق حضرت اقدسؑ نے پہلی سے ارشاد فرمایا تھا کہ اس کا خیال ابھی باقی ہے کہ کوئی اور امر مکروہ اور رنجدہ پیش آوے آپکے اہل بیت کی علالت اور ناسازی طبع سے پورا ہوا مگر ہر طرح سے خیریت رہی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

ریویو

اسلام کی پہلی کتاب مصنفہ ماسٹر عبد الرحمن صاحب نو مسلم۔ اس مختصر سی کتاب میں بہت سے ان سوالوں کا جواب دیا گیا ہے

جو عام طور پر سلسلہ احمدیہ کے متعلق کیے جاتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ وہی سوال ہیں جن کا جواب اکثر دفعہ سلسلہ احمدیہ کی طرف سے دیا جا چکا ہے۔ اور ان میں سے اکثر پر بڑے بڑے مبسوط مضمون موجود ہیں مگر ہر ایک شخص کی طرز ادا اور ترتیب الگ ہوتی ہے اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب میں ایک جدت ہے۔ طرز ادا نہایت آسان ہے اور جس غرض کیلیے بنائی گئی ہے یعنی سلسلہ احمدیہ کے بچوں کیلیے۔ امید ہے کہ مفید ثابت ہوگی۔ چھوٹی تقطیع پر ایک سو بیس ۱۲۰ صفحوں کی کتاب ہے قیمت ۶؍ ملنے کا پتہ یہ دیا گیا ہے "تمام درخواستیں بنام ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب قادیان آویں"

البرق:- یعنی مرزا عابد علی بیگ صاحب کی کتاب الفرق پر تنقیدانہ نظر از حکیم مقصود علی خان مشنری آف اسلام۔ مولوی شبلی صاحب نے کتاب الفاروق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات اور سیرت میں لکھی تھی۔ مگر عیسائیوں کی طرح شیعہ صاحبان بھی اس بات کی برداشت نہیں کر سکتے کہ خدا کے کسی راستباز بندہ کی نسبت کلمہ خیر سن سکیں۔ مرزا عابد علی بیگ صاحب نے الفاروق پر الفرق کے نام سے ایک ریویو لکھا جس کا جواب حکیم مقصود علی خاں صاحب نے البرق میں دیا ہے اس کتاب میں مرزا عابد علی بیگ صاحب کے الفرق کے اعتراضوں کو نقل کر کے جواب دیا گیا ہے ان اعتراضوں کو پڑھنے سے یہ خیال آتا ہے کہ بعض وقت دنیا کے کیسے ہشیار ہشیار لوگ بھی جب مذہب کی آڑ میں ایک جھوٹ کی حمایت کا بیڑا اٹھاتے ہیں تو طفلانہ اور مضحکہ انگیز باتیں کرنے لگتے ہیں۔ خود تو شیعہ صاحبان حضرت علی کے متعلق ایسا غلو کرتے ہیں کہ انکو خدائی کے مرتبہ تک پہنچاتے ہیں۔ مگر حضرت عمر کے متعلق اگر مولوی شبلی صاحب نے اعلیٰ درجہ کی صحیح اور مستند روایات کی بنا پر یہ لکھ دیا کہ حضرت عمر کی رائے کا توارد بعض موقعوں پر وحی الٰہی سے ہوا تو اس پر مرزا عابد علی بیگ صاحب لکھتے ہیں کہ "حضرت عمر کو درجہ نزول وحی پر پہنچا کر اور پیغمبر کو اس مرتبہ سے گرا کر حضرت عمر کے ہاتھ پر معجزہ جاری کر دیا ہے" مولوی شبلی صاحب تو بہ سبب اہل سنت والجماعت سے ہونیکے ملزم قرار پا گئے مگر اب مرزا عابد علی بیگ صاحب کو یہ فکر پڑی کہ حضرت عمر کے فضائل کو ان لوگوں نے بھی تسلیم کیا ہے جو اسلام کے سخت ترین دشمن تھے یعنی عیسائی مصنف۔ اسکی توجیہ آپنے یوں کی ہے کہ "یورپین مصنفین نے علم فلسفہ تاریخی کی شان سے مذہب اسلام کی بنیاد ڈھانے کیلیے یہ پہلو اختیار کیا ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں پیغمبر اسلام کے افضل الناس ہونیکو زوال اور بمقابلہ پیغمبر اسلام کے حضرت عمر کی افضلیت تسلیم ہو جائے۔ اور انکی غرض در پردہ حضرت عمر کی شان و شوکت اور صولت و ہیبت بمقابلہ علی مرتضیٰ اور پیغمبر اور آل پیغمبر کے دکھانے سے ابطال نبوت حضرت محمد صلعم کی ہے" یہ خیال صرف لکھنے والے کے اپنے دماغ کی اختراع ہے ورنہ میور نے صاف طور پر حضرت ابوبکر وغیرہ کی فضیلت کے اسبات پر استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلعم واقعی صدق اور اخلاص سے اسلام کیطرف بلاتے تھے۔ بہر حال ان لوگوں کی فضیلت کے ثابت ہونے سے جو اپنی ہر ایک خوبی کو آنحضرتؐ کی بدولت سمجھتے تھے خود اس آقا و مرشد کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جسکے غلام ایسے بڑے بڑے انسان ہوئے۔ اور شیعوں کیلیے ڈوب مرنیکی جگہ ہے کہ مسلمان کہلا کر وہ اسلام پر ایسے گندے حملے کرتے ہیں۔ کتاب کی قیمت ۱۲؍ ملنے کا پتہ منشی شاکر علی صاحب مختار عدالت۔ مراد آباد۔

صدر انجمن احمدیہ قادیان

(۱) صدر انجمن احمدیہ کی اہم اور اصلی غرض اشاعت اسلام ہے۔

(۲) صدر انجمن احمدیہ کے متعلق اسوقت حسب ذیل کام ہیں۔

اوّل۔ ایک ہائی سکول کا انتظام جس میں انٹرنس تک دنیوی تعلیم دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عربی اور دینیات کی اسقدر تعلیم دیجاتی ہے جس سے ایک باقاعدہ تعلیم پانیوالا طالب علم قرآن شریف کا ترجمہ اور دین کی بہت سی ضروری باتیں سیکھ لیتا ہے اور اسلام کی صداقت اور غیر مذاہب کے بطلان کے بہت سے دلایل سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ اس مدرسہ کے متعلق ایک بورڈنگ ہوس ہے جس میں سوا سو کے قریب لڑکے ہیں علاوہ ازیں ایک گرلز سکول اور دیہات میں تین برانچ سکول ہیں۔

دوم۔ ایک دینیات کے مدرسہ کا انتظام جس میں زیادہ تر تعلیم عربی اور دینیات کی دیجاتی ہے اور اس کے ساتھ طب اور تھوڑے تھوڑے مروجہ مضامین پڑھائے جاتے ہیں کتابت بھی سکھائی جاتی ہے جو لوگ صرف انگریزی اور عربی دینیات کی تعلیم حاصل کرنا چاہیں انکے لیے بھی انتظام کیا گیا ہے۔

سوم۔ ایک میگزین ماہوار کا انتظام جو انگریزی میں بلاد یورپ اور امریکہ اور بعض دیگر ممالک میں کئی سو مفت بغرض اشاعت اسلام تقسیم ہوتا ہے۔ اور اردو میں قریباً دو ہزار کے اشاعت اسکی ہندوستان میں ہے اس رسالہ کے اردو حصہ کے ساتھ ایک ضمیمہ تفسیر القرآن کا بھی ہے جو اصل رسالہ سے الگ ہے جس میں ہر قسم کے مشکلات اور اعتراضات کو نہایت صفائی سے حل کیا جاتا ہے۔

چہارم۔ ایک کتب خانہ جس میں بہت سی حضرت مسیح موعودؑ کی تصنیفات اور بعض دیگر اسلامی تصنیفات اور مدرسہ کی مروجہ کتابیں اور بعض احمدی احباب کی تصنیفات ملتی ہیں اسکی ایک مختصر فہرست دوسری جگہ دیگئی ہے۔

پنجم۔ ایک قبرستان کا انتظام اور اس کے متعلق وصایا وغیرہ کا اہتمام۔

ششم۔ ایک یتیم فنڈ جس سے حسب گنجایش بعض یتامیٰ کی مدد کیجاتی ہے۔ ایسا ہی ایک مسکین فنڈ ہے جس سے بعض مساکین کو جو مدرسہ میں پڑھتے ہیں مدد دیجاتی ہے اور زکوٰۃ کا روپیہ بھی حسب منشائے شریعت اسلامی جسقدر جمع ہو تقسیم کیا جاتا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کی ضروریات سب سے اوّل لنگر خانہ ہے۔ اس کا انتظام براہ راست حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ میں ہے۔ تمام بیعت کرنیوالوں کیلیے ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ لنگر خانہ ادا کریں اور اس سلسلہ کی اعانت کریں۔ اسکی اخراجات میں نہ صرف مہمانوں کی آمد و رفت کے اخراجات ہی ہیں بلکہ تعمیر اور خط و کتابت حضرت اقدسؑ اور طبع کتب وغیرہ کے اخراجات کثیر بھی ہیں۔

دوسری۔ ضرورت ہائی سکول اور مدرسہ دینیات کے متعلق ہے۔ اسکی لیے بھی تمام بیعت کنندگان کیلیے چندہ دینا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ماہوار مستقل خرچ ایک ہزار روپے کے قریب ہے اور عمارت کا کثیر خرچ درپیش ہے۔ تیسری ضرورت یہ ہے کہ تمام احمدی احباب اور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

ایسے غیر احمدی احباب جو تعلیم کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ انکے بچے دیندار ہوں انہیں اس مدرسہ میں تعلیم کیلئے بھیجیں۔ چوتھی ضرورت میگزین کے متعلق ہی اسکا چندہ اردو میں عہ سالانہ ہے اور ضمیمہ یعنی تفسیر القرآن کا چندہ ۱۲ ر سالانہ ہی۔ اصل میگزین ۴۸ صفحوں پر ضمیمہ ۲۰ صفحو نپر ہے۔ انگریزی رسالہ کی قیمت للعہ سالانہ ہی۔ سب احباب کیلیے ضروری ہی کہ خود اس کے خریدار بنیں۔ اور جو رسالہ مفت تقسیم کیا جاتا ہی اس میں بھی حسب استطاعت اعانت کر کے اشاعت اسلام کیلئے انجمن کی مدد کریں۔ پانچویں۔ ضرورت یتیم فنڈ اور مسکین فنڈ میں مدد کی ہی۔ قربانی کی کھالوں کی قیمت اور ہر قسم کے صدقات اس مد میں بھیجی جاویں قابل استعمال کپڑے وغیرہ بھی بہت کام آسکتے ہیں چھٹی ضرورت زکوٰۃ کے روپیہ کے یہاں بھیجنے کی ہے۔ اس روپے سی بہت مفید کام ہو رہا ہی تمام احمدی مرد اور عورتیں جو صاحب نصاب ہیں سالانہ اپنی زکوٰۃ کا حساب کر کے اسجگہ بھیجدیں۔ ساتویں ضرورت یہ ہے کہ جو کتابیں انجمن کے کتب خانہ سے مل سکتی ہیں وہ یہاں سے منگوائی جاویں اس سے بھی انجمن کو مدد پہنچتی ہی۔ بعض احباب نے اپنی کتابیں انجمن کے نام ہبہ کردی ہیں ایسی مثالیں بھی قابل تقلید ہیں۔

Digitized by Khilafat Library

نوٹ۔ مقبرہ بہشتی کے شرائط کو جو لوگ پورا کرنا چاہیں وہ اپنی آمد کا دسواں حصہ دیں یا اپنی جائداد کے دسویں حصہ کے متعلق وصیت کریں

ضروری ہدایات (۱) ہر ایک قسم کا روپیہ جس کا تعلق صدر انجمن احمدیہ کی کسی مد سے ہو بنام محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان آنا چاہیے مگر لنگر خانہ کا روپیہ حضرت مسیح موعودؑ کے نام بھیجیں اگر دوسری مد انکے ساتھ ملا ہوا ہو تو محاسب کے نام بھیجکر اسی اطلاع دیں کہ وہ حضرت اقدسؑ کی خدمتمیں پیش کر دے۔ (۲) منی آرڈر کے کوپن میں پوری رقم اور اسکی تفصیل کہ کن کن اغراض کے لیے ہے دیا اگر لمبی تفصیل ہو تو علیحدہ خط میں دیں) اور فرستندہ کا نام اور پتہ خوشخط درج ہوں۔ (۳) ہر ایک رقم کی رسید باضابطہ دفتر محاسب سے دیجاویگی پس جس شخص کو رسید دفتر کی محاسب کے دستخطی وقت پر نہ پہنچے اسے خط و کتابت کر کے دریافت کرنا چاہیے۔ ایسی رسیدیں حتی الوسع کچھ مدت کیلیے محفوظ رکھی جاویں۔ نوٹ۔ ۴ر سے کم رقم کی رسید نہ دیجاویگی۔ (۴) مدرسہ کے متعلق ہر ایک قسم کی خط و کتابت نائب ناظم مدرسہ یا ہیڈ ماسٹر مدرسہ سے کریں اور بورڈنگ ہوس کے متعلق سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہوس سے۔ (۵) جو احباب مدرسہ میں اپنے لڑکے بھیجیں انکا ایک ماہ کا خرچ پیشگی ہیڈ ماسٹر صاحب یا سپرنٹنڈنٹ صاحب کے نام بھیجیں اور یہ یاد رکھیں کہ خرچ ہمیشہ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس بھیجا جاوے لڑکے کو نہ دیا جاوے سپرنٹنڈنٹ صاحب حسب ہدایت اور حسب ضرورت اسے لڑکے کی بہتری کیلیے خرچ کرینگے اور ماہوار حساب بھیجتے رہیں گے۔ (۶) میگزین کے متعلق کل خط و کتابت مینجر میگزین یا نائب ناظم میگزین کے نام پر کریں اور ایڈیٹر کے نام سوائے ان خطوط کے جنکا تعلق مضامین رسالہ سے ہو اور کوئی خط و کتابت نہ کریں۔ (۷) مقبرہ بہشتی کے متعلق اور وصیت وغیرہ کے متعلق نائب ناظم مقبرہ بہشتی سی خط و کتابت کریں اور انہی سی رسالہ الوصیت طلب کریں جو مفت بھیجا جاویگا۔ وصیت کی فارمیں بھی اسی سے طلب کریں اور انہی کے نام وصایا بھیجیں۔ (۸) کتابیں بھی نائب ناظم مقبرہ بہشتی سی طلب کیجاویں جو بذریعہ وی۔ پی مطلوبہ کتب بھیجیں گے اور جگہ سی طلب نہ کیجاویں۔ (۹) امور متعلقہ صدر انجمن میں سکرٹری صدر انجمن احمدیہ سے خط و کتابت کریں (۱۰) وظائف مسکین فنڈ کی متعلق درخواستیں صرف دو دفعہ سال میں پیش ہونگی یعنی نومبر اور مئی میں پس جو صاحب درخواستیں بھیجیں وہ اسبات کو ملحوظ رکھیں کہ انکا جواب سوائے ان دو اوقات کے نہیں مل سکیگا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ بدون منظوری مجلس کسی

(مطبع میگزین قادیان دار الامان میں مینجر میگزین کے اہتمام سے طبع ہوا)